www.urducouncil.nic.in

مئی 2022 ، قیمت :- ₹10

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔
یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی ؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہورہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
لکھنے کا فن سیکھنا چاہیے	خالد اختر علیگ	06
بچوں پر توجہ دینا والدین کی اولین . . .	عبدالعزیز عرفان	09
	پیام عید	
آؤ بچو! عید منائیں	یوسف رامپوری	11
عید کب ہے	محمد یحییٰ جمیل	12
عید	فردوس بانو فلاحی	14
عید کارڈ	محمد اکرام	15
عید پر اشعار		18
	نظمیں	
محنت	عبدالرحیم نشتر	19
بچے کی دعا	ہنر رسولپوری	20
کتاب	رخشاں ہاشمی	20
آؤ پیڑ لگائیں	ثناء اللہ دوگھروی	21
ترے بن گھر مرا تو ویران ہے ماں	محمد وکیل	22
پھلوں کا موسم	مہناز بانو	22
	ڈراما	
پرندوں کا عالمی مشاعرہ	مناظر حسین	23
	کہانیاں	
باتیں زید میاں کی	محمد اسد اللہ	27
صلہ	محمد طارق	29
خوش اخلاقی	مطیع اللہ نازش کٹکی	33
ذہین ملکہ	منظور وقار	35
سیاہ ہوائی جہاز	لائم اوفلاہرٹی، مترجم: عظیم اقبال	37
پیٹ کی آگ	ابرار احمد	39
حسد کا انجام	نیلوفر سعدیہ	42
نہلے پر دہلا	جہانگیر انس	45
تین تحفے	ایم ایف قریشی	47
تیز رفتار	تفضّل جمال	49
چڑیا اور ہاتھی کی کشتی	رابعہ	52
	بچوں کا کتب خانہ	
بچپن: دھنک رنگ / عائشہ سمن	حقانی القاسمی	54
	زبان شناسی	
صحتِ املا		56
	سائنس نامہ	
میں توانائی کا خزانہ، توانیہ ہوں	رفیع الدین ناصر	58
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		61

لائم اوفلاہرٹی، مترجم

بچوں کی دنیا

جلد: 10 شمارہ: 05 مئی 2022

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپے، سالانہ 100/ روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی - 110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد - 500002

فون: 040-24415194

پیارے بچو! ہماری زندگی میں محبت اور بھائی چارے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔اس کے بغیر زندگی ادھوری اور نامکمل محسوس ہوتی ہے۔محبت انسان کو ذہنی اور قلبی سکون فراہم کرتی ہے۔ جس گھر میں لوگ محبت سے رہتے ہیں، اس گھر کا ماحول بہت پرسکون اور خوشگوار ہوتا ہے، اور جس ملک میں بھائی چارہ پایا جاتا ہے، اس ملک میں ہر طرف امن کی ہوائیں چلتی ہیں اور وہ ملک تیزی کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔اس لیے محبت اور میل جول کے جذبے کو ہمیشہ زندہ رکھنا چاہیے۔یاد رکھیں کہ آپسی میل جول اور بھائی چارے کے ذریعے ہم اپنے ملک کو ترقی کی بلندیوں پر لے جاسکتے ہیں۔کثرت میں وحدت ہمارے ملک کی شناخت ہے۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ بچوں میں پیار محبت کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ انھیں جس سے پیار ملتا ہے، وہ اس کی طرف فطری طور پر مائل ہو جاتے ہیں۔ اگر کبھی بچے آپس میں لڑتے ہیں تو وہ تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک ہو جاتے ہیں اور سارے اختلافات کو ہمیشہ کے لیے بھول جاتے ہیں لیکن جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے ہیں، ان میں تبدیلی آتی جاتی ہے اور ذرا سی بات پر ہونے والا جھگڑا کبھی کبھی خطرناک دشمنی میں بدل جاتا ہے۔ جو فرد، سماج اور ملک کے لیے نقصان کی بات ہے۔اس لیے ہر عمر کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ پیار محبت کے جذبے کو سرد نہ ہونے دیں اور ان مواقع سے فائدہ اٹھائیں جن سے محبت اور بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔

پیارے بچو! تمام مذاہب کے تہواروں کی خوبصورتی یہ ہے کہ یہ تمام گلے شکوے، لڑائی جھگڑے، ختم کر کے سب کو ایک لڑی میں پرونے کا کام کرتے ہیں۔ تہواروں کے دن ایک دوسرے کے دشمن بھی گلے ملتے ہیں اور پرانی رنجشیں اور اختلافات کو بھلا دیتے ہیں۔ دراصل ان تہواروں کا مقصد ہی یہی ہے کہ انسانوں کے درمیان آپسی میل جول بڑھے اور سب ایک دوسرے کے دکھ درد، اور خوشی میں شریک ہوں۔ ہندوستان کے جتنے بھی تہوار ہیں سب کے پیچھے یہی ایک مقصد پوشیدہ ہے۔ ہولی، دیوالی، شب برات اور دیگر تہوار میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے ربط بڑھانے کے مواقع ملتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے بھی ایک بہت اہم تہوار عیدالفطر ہے۔ یہ ایک ایسا تہوار ہے جس کے ذریعے ہم باہمی اختلافات اور آپس کی دشمنی کو بھول کر اپنے درمیان محبت قائم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ عید کے موقع پر سب لوگ اتنے خوش ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں، گلے ملتے ہیں۔ مٹھائیاں کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ نئے کپڑے بھی پہنتے ہیں، ایک ساتھ عیدگاہ میں نماز بھی ادا کرتے ہیں، اس دن کوئی کسی کا دشمن نہیں دکھائی دیتا، نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہتا ہے، ہر طرف محبت ہی محبت، اور بھائی چارہ ہی بھائی چارہ نظر آتا ہے۔ دراصل 'عید' کا پیغام 'محبت' کو عام کرنا اور بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دینا ہے۔

پیارے بچو! عید کا دن محتاجوں، غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے کا بھی ہے۔ اگر آپ کے دوستوں میں کوئی بچہ اپنی غربت کی وجہ سے عید کے موقع پر نئے کپڑے نہیں سلوا سکتا ہے تو اپنے والدین کو توجہ دلائیں کہ اس کے لیے بھی کپڑے سلوا دیں تا کہ وہ بچہ بھی آپ کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہو جائے۔ آپ سب کو عید کی پیشگی مبارکباد!

آپ کا

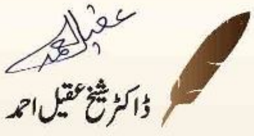

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

بخاری دعوۃ کالج، ملاپورم کے طلبا بچوں کی دنیا پڑھتے ہوئے

فاطمہ اردو پرائمری اسکول کراڑ پورا، مہاراشٹرا کے بچے بچوں کی دنیا پڑھتے ہوئے

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کا مطالعہ میں پابندی سے کرتی ہوں لیکن ہمارے یہاں ڈاک کا نظام اچھا نہ ہونے کی وجہ سے اکثر پرانے شمارے ہی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ میرے بابا جب دہلی جاتے ہیں تو میرے لیے بچوں کی دنیا کے کئی شمارے لاکر رکھ دیتے ہیں۔ میں تقریباً روز ہی بچوں کی دنیا کا مطالعہ کرتی ہوں اور اپنی ہم جماعت سہیلیوں کو بطور تحفہ بچوں کی دنیا ہی پیش کرتی ہوں۔

وانیہ شیخ، درجہ یازدہم، سینٹ میرس اسکول نگینہ۔ اتر پردیش

مدیر محترم: ’بچوں کی دنیا‘ کے لیے یہ میرا پہلا تاثر ہے۔ حالانکہ میں رسالہ ’بچوں کی دنیا‘ کا وقتاً فوقتاً دیدار کرہی لیتی ہوں۔ میرا خاندان، الحمدللہ کافی بڑا ہے۔ بچے بھی ماشاء اللہ خوب ہیں۔ ہم کہیں نہ کہیں سے رسالہ حاصل کرلیتے ہیں۔ ’بچوں کی دنیا‘ ہمارے گھر میں بہت مقبول و محبوب ہے۔ اس رسالے کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں زندگی کے سبھی پہلو پر نظر جاتی ہے۔ مثلاً تعلیم کی اہمیت، ہنر کی اہمیت، بہادری و شجاعت، رحمدلی و سخاوت اور تفریح وغیرہ پر آنکھیں کھول دینے والی تحریریں ملتی ہیں۔ اس رسالے کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ بچوں کا رسالہ ہوتے ہوئے بھی بڑوں کے ذوق کی تسکین کرتا ہے، جیسے بچپن کے واقعات کو یاد دلانا، بچپن میں استعمال کی گئی چیزوں پر نظر ڈالنا، ہم اپنے بچپن میں دوات اور تختی کا استعمال کرتے تھے۔ روشنائی پھیل جاتی تو اسے سختہ کے ذریعے سکھاتے تھے۔ ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ میں پیپر میشی، سختہ بنانا، مضمون دیکھ کر وہ کاغذ نما سختہ یاد آیا جس سے ہم بچپن میں تختی سکھاتے تھے۔

بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے شاعری بہت کارآمد ذریعہ ہے۔ اس رسالے میں بچوں کی سطح پر بہت اچھی اچھی نظمیں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ مصوری کا تو کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ دل چاہتا ہے کہ کاش ہمارا بچپن لوٹ آتا اور ہم بچوں کی دنیا میں کچھ پینٹنگ بنا کر خوش ہوتے۔ اللہ اس رسالے کو ذریعۂ فلاح و امن بنائے۔

تمنا مبین، K-96، ٹھوکر نمبر 5، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

لکھنے کا فن سیکھنا چاہیے

خالد اختر علیگ

محمد خالد اختر ہاشمی کا تعلق لکھنؤ سے ہے۔ انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے بی اے کیا ہے۔ وزارت آیوش حکومت ہند میں ریسرچ ایسوسی ایٹ (یونانی) کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔ کالم نگار کی حیثیت سے ان کی اپنی ایک پہچان ہے۔ سہ ماہی سائنس کی دنیا، دو ماہی طب وصحت، ماہنامہ سائنس اور پیام تعلیم وغیرہ میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ترسیلی مہارت کے موضوع پر ان کی ایک کتاب زیر تصنیف ہے۔

بچو! ابھی کچھ دنوں میں آپ کے سالانہ امتحانات ختم ہوجائیں گے، اور اس کے بعد تقریباً ایک یا ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں بھی ہوجائیں گی۔ جس میں آپ خوب تفریح کریں گے، اب آپ کے پاس کوئی نصابی سرگرمی بھی نہیں ہوگی، اور بس فرصت ہی فرصت ہوگی۔ ان فرصت کے دنوں میں آپ جہاں تفریح کریں، اپنے نانیہال اور دادیہال جائیں، سیر وسیاحت کریں۔ وہیں ایک کام کیجئے گا کہ روزانہ آپ جو کچھ بھی کریں اس کو ایک نوٹ بک یا کاپی پر رات کو سونے سے پہلے اس دن کی تاریخ ڈال کر لکھ لیا کریں۔ یہ جو روزانہ کی باتیں لکھی جاتی ہیں اسے ڈائری لکھنا کہتے ہیں۔ اب آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے، ہم تو لکھنا جانتے ہی نہیں ہیں۔ نہیں بھئی کس نے کہہ دیا کہ آپ لکھنا نہیں جانتے، جب امتحان میں سوال آتے ہیں تو اس کو اپنے دماغ سے سوچ کر ہی تو لکھتے ہیں۔ بس ایسے ہی آپ کو دماغ سے سوچنا ہے اور اسے لکھنا ہے۔ اصل میں ڈائری لکھنا مصنف یا قلم کار بننے کی پہلی سیڑھی ہے، جب آپ ڈائری لکھنا سیکھ جائیں گے تو آپ کہانیاں، افسانے، مضمون سبھی کچھ لکھنے لگیں گے۔ آیئے اب بات کرتے ہیں کہ ہم کیسے لکھنا سیکھ سکتے ہیں۔

لکھنا ایک فن یعنی آرٹ ہے، جو کچھ لوگوں کو خدا کی طرف سے نعمت کے طور پر حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے انھیں لکھنے کے لیے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن بہت سارے لوگوں کو یہ فن حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت چاہیے۔ ایک قلم کار دیگر فن کاروں اور ہنرمندوں کی طرح ہی ہوتا ہے، جو سماج اور اپنے آس پاس کی تصویر کو قلم کی زبان عطا

کر کے الفاظ کی صورت میں ڈھالتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا اور سوچتا ہے، اسے الفاظ کے ذریعے دوسروں کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لکھنے کا تعلق قلم کار کی تمنا، آرزو، خواہش، مرضی، شوق اور اس کے جذبات و احساسات سے ہوتا ہے۔ ایک قلم کار کسی بھی سماج کا چہرہ ہوتا ہے، جو جانچنے اور پرکھنے کی طاقت سے معاشرے اور اس میں ہونے تمام حرکتوں کو الفاظ کی تصویر پہنا تا ہے۔ جس طرح ایک تصویر بنانے والا جسے اردو میں مصور کہتے ہیں جب کوئی تصویر بنا تا ہے تو اسے جو اطمینان اور خوشی محسوس ہوتی ہے بالکل ویسے ہی ایک قلم کار اپنی تخلیق کو کاغذ پر بکھرا دیکھ کر سکون پا تا ہے۔ اس لیے ہر طالب علم کو ضرور لکھنا چاہیے، تا کہ اپنی بات آسانی کے ساتھ دوسروں تک پہنچا سکے۔ اس کے لیے کوئی بہت بڑی مہارت کی ضرورت نہیں، صرف اپنے خیالات کو لفظوں میں ڈھالنے کی خواہش ہونی چاہیے۔ لکھنے میں مہارت وقت کے ساتھ آتی ہے، لکھنے کے لیے سب سے اہم بات، مطالعہ ہے، جتنا آپ مطالعہ کریں گے یعنی کتابوں کو پڑھیں گے، لکھائی میں اتنی ہی پختگی آئے گی۔ مطالعہ کرنے سے تحریر میں نکھار آتا ہے اور الفاظ پر گرفت یعنی پکڑ حاصل ہوتی ہے، اسی لیے ایک اچھے قلم کار میں کتابوں سے لگاؤ، زبان سے محبت، زندگی سے پیار، آس پاس کی چیزوں پر دھیان دینے کی عادت، اچھی یادداشت، جوش، مایوس نہ ہونا جیسی خوبیاں ہوتی ہیں۔

کس طرح کی کتابوں کا مطالعہ فائدہ مند ہوتا ہے؟

مطالعہ کے لیے کس طرح کی کتابوں کا انتخاب یعنی چناؤ کیا جائے یہ تو آپ کے ذوق پر منحصر ہے، چاہے آپ کوئی بڑی کتاب کا انتخاب کیجیے یا چھوٹی چھوٹی کتابوں کا، ویسے اخبار میں شائع ہونے والے بچوں کے صفحے میں شامل تحریریں پڑھ کر بھی مطالعے کی عادت ڈالی جاسکتی ہے۔ نئے نئے الفاظ کا جاننا اور ان کا استعمال بھی سیکھنا ضروری ہے جس کے لیے لغات یعنی ڈکشنری مثلاً انگریزی زبان کے لیے آکسفرڈ کی انگریزی ڈکشنری، انگریزی اردو ڈکشنری اور اردو کے لیے فیروز اللغات کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے، یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ انگریزی کے مشہور فکشن رائٹر اور بچوں کے ادیب رسکن بانڈ (Ruskin Bond) نے گزشتہ دنوں اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ کتاب کے بارے میں بتایا تھا جس کا وہ روزانہ مطالعہ کرتے ہیں، وہ آکسفرڈ کی انگریزی ڈکشنری ہے۔

لکھنے سے پہلے اپنے موضوع اور صنف کا تعین ضرور کرلیجیے:

جب آپ لکھنے کے لیے سوچ رہے ہوں تو اس سے پہلے اپنے موضوع اور صنف یعنی تحریر کی قسم کے بارے میں طے کر لیجیے، کہ آپ کیا لکھنا چاہتے ہیں اور آپ کی دلچسپی کس چیز میں ہے۔ آپ کو کہانی لکھنا پسند ہے یا ناول نگاری کرنا چاہتے ہیں، مضمون لکھنا چاہتے ہیں یا نظم کہنا زیادہ پسند ہے۔ لکھنے کی شروعات کرنے سے پہلے اگر تحریر سکھانے والی کسی کتاب کا مطالعہ کرلیا جائے تو بہتر رہے گا۔ بچوں کے مشہور ادیب رسکن بانڈ نے How to be a writer کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جسے اسکول میں پڑھنے والے طالب علم بہت آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں فکشن رائٹنگ یعنی کہانی، افسانہ، ناول اور ڈرامہ لکھنے کے بارے میں بہت دلچسپ انداز میں بتایا گیا ہے۔ اس کتاب کو Harper Collins نے شائع کیا ہے۔ اب اسی کا ہندی ترجمہ 'لیکھک کیسے بنیں' کے نام سے بازار میں آچکا ہے۔

نقل سے پرہیز کیجیے:

جب آپ لکھنا سیکھ جائیں تو یہ یاد رکھیے کہ جو کچھ بھی لکھیں اسے خود سے اور اپنے ذہن سے لکھیں، وہ آپ کی اپنی کاوش ہونی چاہیے۔ موجودہ دور میں کسی کی لکھی ہوئی بات کو چوری کرنا اور اس میں تبدیلی کر کے اپنی تحریر ثابت کرنا نہایت ہی گھٹیا عمل ہے۔ اگر اس بات کا پتہ چل گیا کہ آپ نے کسی کی تحریر چوری کر کے اسے شائع کروا دیا ہے، تو اس سے آپ کی قلم کار کے طور پر ہونے والی ترقی رک جائے گی۔

دوسرے کے انداز تحریر کی نقل کرنے کی بجائے اپنا انداز اپنائیے:

اگر آپ ایک اچھے قلم کار بننا چاہتے ہیں تو اس وقت تک کچھ نہ لکھیں جب تک آپ کے پاس موضوع سے متعلق پورا مواد اور معلومات نہ ہو، جب لکھنا شروع کریں تو To the point لکھیں، اپنا منفرد اور انوکھا انداز اپنائیں، اس طرح قارئین کی نظر میں آپ کی اپنی ایک علیحدہ پہچان اور شناخت بن جائے گی۔ مثلاً اپنی تحریر میں لطیفے، نصیحت آمیز جملے، ضرب المثل، محاورے اور اشعار کا اکثر و بیشتر استعمال کرنا، یعنی لکھتے ہوئے ایک ایسا انداز اپنانا جو آپ کو دوسرے قلم کاروں سے الگ کرتا ہو، اور وہ آپ کی اپنی ایک پہچان یا Brand بن جائے اور آپ کی مقبولیت میں اضافہ کرے۔

لکھنے کے عمل کو اپنی عادت بنائیے:

روزانہ تحریری کام کرنے کی کوشش کریں، اور دن کا ایک خاص وقت اس کے لیے نکال لیں، چونکہ آپ طالب علم ہیں اس لیے اپنی تعلیمی مصروفیات کے ختم ہو جانے کے بعد، خاص کر رات کو سونے سے پہلے لکھیں اور ہر دن اسی وقت لکھنے کی کوشش کریں تا کہ آپ کا دماغ کسی خاص وقت میں لکھنے کا عادی ہو جائے اور خود ہی آپ کے ہر دن کے لکھنے کے موضوع پر توجہ دے سکے۔

چھوٹے قدم سے آغاز کیجیے:

آپ کو پہلی بار لکھنے کا سلسلہ شروع کرتے وقت تھوڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اس عمل سے آپ کی حوصلہ شکنی تو ہوگی مگر یہ یاد رکھئے کہ مشق کرنے سے تحریر کے فن پر عبور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ آپ کو اپنے اس عمل میں پہلے ہفتے میں کوئی لمبی چوڑی تحریر نہیں لکھنی ہے اور نہ ہی مسلسل کئی گھنٹے لکھنا ہے۔ پہلے ہفتے میں ہر روز صرف پندرہ سے بیس منٹ تک یا سو الفاظ لکھنے کے ساتھ اپنے تحریری سلسلے کو شروع کیجیے، بڑے جملوں کے بجائے مختصر جملے لکھیے۔ لکھنے کی عادت پڑ جانے کے بعد بھی دو گھنٹے سے زیادہ کبھی بھی مستقل مت لکھیے۔

تحریر شائع کرانا:

اب جب کہ آپ نے لکھنا سیکھ لیا ہے اور کوئی تحریر لکھ بھی دی ہے، تو اسے شائع کرانے یعنی چھپوانے کا مرحلہ آتا ہے۔ سب سے پہلا کام یہ کیجیے کہ لکھنے کے بعد فوراً اپنی تحریر کو چھپنے کے لیے مت بھیج دیجیے، بلکہ اسے خود کئی بار پڑھیے، ہر بار پڑھنے سے بہت سی نئی غلطیاں سامنے آئیں گی، جن کی اصلاح آپ کو خود ہی کرنا ہوگی۔ ممکن ہو تو اپنے کسی استاد یا دوست کو ضرور پڑھوائیں، وہ آپ کی بہتر اصلاح کر سکتے ہیں۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی غلطی کو درست کیجیے۔ اگر پہلی بار بھیجنے سے تحریر شائع نہیں ہوئی تو دوسری بار بھیجیں، تیسری بار بھیجیں، مستقل مزاجی سے بھیجتے رہیں۔ کسی بھی کام کا آغاز مشکل ہوتا ہے، لیکن محنت، لگن اور مستقل مزاجی سے کامیابی ضرور ملتی ہے۔

■

Dr.Khalid Akhtar Alig
Darussalam,449/151-E
Behind Husainabad Police Chowki
Husainabad,Lucknow-226003(UP)
Mob.: 9359724505

بچوں پر توجہ دینا والدین کی اولین ذمے داری

عبدالعزیز عرفان

ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان کا تعلق اورنگ آباد مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے اردو تاریخ و فارسی میں ایم اے کیا ہے اور بی ایڈ و پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی لی ہیں۔ ہائی اسکول و جونیئر کالج، ڈی ایڈ کالج میں تدریسی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ ان کی تقریباً 21 کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں خواتین کے لیے آنچل کے ستارے، انڈیا کی مشہور خواتین قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے روشن ستارے، ہمارے نیتا، شمع فروزاں، درخشاں ستارے، تحریک آزادی ہند کے چند مجاہدین، تعلیمی جواہر پارے جیسی کتابیں تحریر کی ہیں۔ ڈی ایڈ سال اوّل کے لیے ان کی ایک کتاب 'درخشاں ستارے' بہت اہم ہے۔ انھیں مہاراشٹر اردو اکادمی ممبئی اور دیگر اداروں سے انعامات بھی مل چکے ہیں۔

بچوں کی کامیابی میں والدین کا اہم کردار ہوتا ہے۔ چنانچہ والدین کا بچوں پہ توجہ دینا ضروری ہے، اس لیے تمام والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کی فکر کریں۔ ان کی صحیح تعلیم و تربیت کریں۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ، تعمیری دور یا نشوونما کا اہم زمانہ کہلاتا ہے۔ اسی لیے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت پر دھیان دیا جائے۔ ساتھ ہی تربیت کے اصولوں پر توجہ دی جائے، ان کی عصری و دینی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔ تاکہ ان میں اخلاق و آداب کا عکس نظر آئے۔

بچوں کی بنیادی اور تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اساتذہ اور دوستوں سے رابطہ رکھیں۔ ان کی تعلیمی ترقی اور ہوم ورک پر دھیان دیں۔ انھیں تیار کر کے اسکول بھیجیں۔ جس طرح ہمارے سرپرست اور والدین ذریعۂ تعلیم انگریزی میں دلچسپی اور خصوصی توجہ کے ساتھ اسکول روانہ کرتے ہیں ان کی فیس، حاضری، ادبی، ثقافتی پروگرام اور سرپرستوں کی میٹنگ میں شرکت کرتے ہیں اسی طرح ہمیں ذریعۂ تعلیم اردو کے مدارس کے لیے بچوں پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے۔

نفسیاتی طور پر بچے محبت کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ دراصل محبت ایک فطری اور نفسیاتی جذبہ ہے۔ جب وہ والدین سے مانوس ہو جاتے ہیں تو اس جذبے کا اظہار کرتے ہیں۔ چاہے والدین ہوں یا خاندان کا کوئی فرد، ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

بچہ فطری اور نفسیاتی طور پر اپنے سے ہر بڑے فرد سے

محبت چاہتا ہے۔ اس سے پیار کرنے یا اس پر پیار ومحبت سے ہاتھ پھیرنے سے خوشگوار اثرات پڑتے ہیں۔ وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔ یہ محبت اسے قریب کرتی ہے، یہ محبت اسے والدین سے نہ ملے تو دوسروں کے قریب ہوجاتا ہے، جہاں اسے محبت ملتی ہے۔ غصہ اور نفرت کے اثرات بچوں کو والدین سے دور کردیتے ہیں۔ چنانچہ والدین اپنے بچوں کے لیے وقت نکالیں، ان کے ساتھ محبت اور ہمدردانہ رویہ رکھیں۔ ماں، محبت اور ہمدردی کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اسے عظیم نعمت کہا جاتا ہے۔ ماں کی گود، بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ بچہ محبت کا درس یہیں سے سیکھتا ہے۔ والدین پیار ومحبت سے پیش آئیں، وہ اپنا ہمدردانہ رویہ اور دوستانہ تعلق رکھیں، البتہ بیجا لاڈ و پیار بھی نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس جانب بھی توجہ دیں۔ انھیں ایک دم کھلی آزادی دینا بھی نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

بچے کھیل کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ عمر کے اعتبار سے مختلف قسم کے کھیل ہوتے ہیں۔ کھیل کا تعلق جسمانی نشوونما سے ہوتا ہے۔ ان کے حرکات وسکنات کا تعلق جسمانی و ذہنی نشوونما سے بھی ہوتا ہے۔ کھیل کے ذریعے ذہنی وجسمانی ورزش ہوتی ہے۔ والدین کھیل کے مواقع فراہم کریں، خاص طور سے جسمانی ومیدانی کھیل پر زیادہ توجہ دیں۔

مدارس میں کھیل کھیل میں تعلیم دی جائے جس میں بچوں کی پسند اور دلچسپی ہوتی ہے۔ یہی آموزش انھیں متاثر کرتی ہے۔ چنانچہ والدین بچوں کی جسمانی و ذہنی نشوونما پر بھی توجہ کریں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنے معذور اور کند ذہن بچوں پر توجہ نہیں دے پاتے ہیں۔ یہ بچے پیار ومحبت اور ہمدردی کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں۔ اس پر ان کی نشوونما کا انحصار ہوتا ہے۔ یہی ہمدردی ومحبت ان کی اصلی روح ہوتی ہے۔ اگر ان سے ہمدردانہ رویہ اور دوستانہ تعلقات نہ قائم کیے جائیں تو ان کی جسمانی و ذہنی نشوونما ناممکن ہے۔ لہٰذا والدین اپنے معذور اور کند ذہن بچوں پر خصوصی توجہ دیں۔ پیار ومحبت اور ہمدردانہ رویہ اختیار کریں اور ان کی پرورش، تعلیم وتربیت اور تحفظ پر توجہ دیں۔ ان سے نفرت اور غصہ بالکل نہ کریں۔

اسکول میں داخلہ لینے سے پہلے چند باتوں کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے۔ والدین کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنا عزم وحوصلہ بلند رکھنے کی تاکید کریں۔ ان میں کسی قسم کا ڈر اور خوف پیدا نہ ہو۔ کیونکہ خوف کی وجہ سے وہ کسی سے بات نہیں کرسکیں گے۔ زبان وبیان اور گفتگو سے متعلق بھی ان کی تربیت کریں کیونکہ اس عمر میں زبان و بیان کو بآسانی درست کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھیں انفرادی واجتماعی طور پر معلومات فراہم کریں، انھیں اپنا نام وغیرہ جیسی عام معلومات دے دیں تاکہ وہ اپنا تعارف کسی کو دے سکیں۔ ان میں تعلیم کا شوق پیدا کریں تاکہ تعلیم سے دلچسپی پیدا ہوسکے۔ اسکول میں داخلہ لینے اور اسکول جانے کے بارے میں حوصلہ افزائی کریں۔ ان باتوں کی رہنمائی سے انھیں مشکلات کا سامنا کرنا نہ ہوگا۔ وہ شوق سے اسکول جائیں گے اور تعلیم حاصل کرسکیں گے۔

مختصر یہ کہ والدین کا بچوں پر توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ بالخصوص تعلیم کے حوالے سے بچوں پر دھیان دینا بہت اہم ہے۔ کوشش یہ کی جائے کہ وہ تعلیم کے میدان میں پیچھے نہ رہیں۔ اگر اس عمر میں تعلیم کمزور ہوگئی تو آگے چل کر اس کمی کو دور کرنا بہت مشکل ہے۔

■

Dr. Abdul Aziz Irfan
National Colony, Plot No: 34
Aurangabad - 431001 (MS)

یوسف رامپوری

آؤ بچو! عید منائیں

آؤ بچو! عید منائیں
سب کو آج گلے لگائیں
روٹھے ہوئے ہیں جو بھی اپنے
عید کے دن ان سب کو منائیں
امّی ابّو بھائی بہن بھی
بیٹھ کے ساتھ سوئیاں کھائیں
دے کر صدقہ محتاجوں کو
نیکی بھی ہم خوب کمائیں
نئے ہوں کپڑے، نئی ہو ٹوپی
اچھی اچھی خوشبو لگائیں
عیدی لے کر اپنے بڑوں سے
دیکھنے ہم پھر میلہ جائیں

■

Yusuf Rampuri
Mohalla: Tndola
Tanda
Rampur - 244925
Mob.: 9310068594

محمد یحییٰ جمیل

عید کب ہے؟

کردار: ملا نصرالدین، بیگم، پڑوسن، امام مسجد

منظر 1

(ملا کمرے میں ٹہل رہے ہیں۔ باہر بچوں کا شور "چاند نظر آ گیا...... چاند نظر آ گیا" پھر نقارے کی آواز۔)

ملا: مجھے نہیں دکھائی دیا کم بخت، مغرب بعد کتنی دیر کھڑا رہا کہ دکھ جائے، خیر خیر...... (ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔)

بیگم: (کمرے میں داخل ہوتی ہے۔) اللہ کا شکر ہے، نقارہ بج رہا ہے یعنی رمضان کا چاند نظر آ گیا۔ مبارک ہو۔

ملا: آپ کو بھی بیگم، اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایک بار پھر ہمیں یہ مبارک مہینہ عطا فرمایا۔

بیگم: بے شک، اچھا سحری کے لیے کچھ میٹھا لے آنا۔ صبح صبح شوربہ روٹی تو مجھ سے نہیں کھائی جاتی۔

ملا: ہاں بیگم ضرور۔ عشا سے لوٹتے ہوئے لے آؤں گا۔

بیگم: چلیے کھانا کھا لیں۔ پھر عشا کا وقت ہو جائے گا۔

ملا: ہاں، ہاں چلو۔

(زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانے کے برتن رکھتی ہے۔ دونوں کھانا کھانے لگتے ہیں۔)

ملا: پچھلی مرتبہ میرے دو روزے چھوٹ گئے تھے۔

بیگم: آپ کو بخار جو آ گیا تھا۔

ملا: پھر میں نے روزے کتنے رکھے تھے؟

بیگم: مجھے تو حساب نہیں آتا۔ جتنے بچے وہ سارے رکھے ہوں گے۔

ملا: اچھا پچھلے سال 29 کا مہینہ تھا یا 30 کا؟

بیگم: خدا کے لیے مجھ سے ایسے سوالات نہ کیجیے۔ کھانا کھانے دیجیے اطمینان سے۔

ملا: ٹھیک ہے۔ ناراض کیوں ہوتی ہو؟ روزوں کا حساب رکھنا واقعی بڑا مشکل کام ہے۔ امام مسجد بھی پوچھتے رہتے ہیں، ملا کتنے روزے ہو گئے؟ ملا کتنے روزے بچے؟ ملا عید کب ہے؟ حساب رکھنا کوئی آسان بات ہے؟ بہت دماغ سوزی کا کام ہے۔

بیگم: اور نہیں تو کیا، یہ کام انھیں خود کرنا چاہیے۔

(بیگم سلفچی میں ہاتھ دھلاتی ہے۔ ملا اٹھتے ہیں۔)

ملا: اچھا میں نماز سے آتا ہوں اور سحری کے لیے کچھ میٹھا بھی لے آؤں گا۔

بیگم: جی، نوازش۔

(بیگم دوسرے کمرے میں جاتی ہے۔ کچھ دیر بعد ملا سامان لیے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔)

ملا: بیگم، ارے کہاں ہو بھئی۔ لو سب سامان لے آیا۔ (تھیلی ایک طرف رکھتے ہوئے) یہ رہا سحری کا انتظام۔ (پلنگ پر بیٹھ کر جیب سے ایک پڑیا نکال کر کھولتے ہیں) اور یہ رہا روزوں کے حساب کا انتظام۔ میٹھی میٹھی کشمش۔ اب میں تیس کشمش اپنی جیب میں رکھ لیتا ہوں اور ہر روز افطار کے وقت ایک کشمش کھا لیا

کروں گا۔ اس طرح رمضان کے روزوں کا حساب بآسانی ہو جائے گا۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات......

(تمیں کشمش گن کر اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔)

(پردہ گرتا ہے۔)

منظر 2

(پردہ اٹھتا ہے۔)

بیگم: آج آسمان صاف ہے، دھوپ بھی بہت تیز ہے۔ ملا کتنے دن سے وہی جبہ استعمال کر رہے ہیں۔ اسے دھو دیتی ہوں۔ (کھونٹی سے اتارتی ہے۔ اور جیب ٹٹولتی ہے اور جیب سے کشمش نکالتی ہے۔) ارے کشمش!! ہائے اللہ ملا کو کشمش اتنی پسند ہے! جیب میں لیے گھوم رہے ہیں۔ ضرور افطار کے وقت مسجد میں کھاتے ہوں گے۔

پڑوسن: کیا کر رہی ہو آپا؟

بیگم:: کچھ نہیں آجاؤ۔

پڑوسن: میری بکری چھت پر چڑھ گئی ہے اسے پکڑنے میں میری مدد کرو گی؟

بیگم: (ہنس کر) آج پھر چھت پر!! بکری نہ ہوئی کبوتر ہو گیا۔

پڑوسن: اگلی عید پر اسی کو قربان کر دیتے ہیں آپا۔

بیگم: شوق سے (جبہ کھونٹی پر دوبارہ ٹانگتی ہے۔) اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔ (پڑوسن کے جانے کے بعد) ہائے کتنی کم رہ گئی ہیں کشمش۔ ٹھیک ہے پہلے ملا کی جیب کشمش سے بھر دوں پھر اس کلموہی بکری کو اتارتی ہوں۔ (ڈبہ کھول کر دو مٹھی کشمش جیب میں ڈال دیتی ہے۔)

(بیگم کے جاتے ہی ملا، امام مسجد کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔)

ملا: آیئے تشریف رکھیے امام صاحب۔

امام مسجد: جزاک اللہ۔ بھئی آپ نہ ہوں تو روزوں کا حساب رکھنا ہمارے لیے کتنا بڑا مسئلہ ہے۔

ملا: آپ شرمندہ کر رہے ہیں امام صاحب۔

امام مسجد: پچھلی مرتبہ آپ نے بتایا تھا کہ 17 روزے باقی ہیں۔ اب بتایئے کتنے روزے بچے ہیں اور عید کب ہے؟

ملا: (جبہ پہنتے ہیں اور جیب میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی گننا شروع کرتے ہیں۔)

امام مسجد: ملا، اطمینان سے حساب کیجیے اور بتایئے۔

ملا: (جیب میں کشمش گنتے جاتے ہیں۔ پھر پریشان ہو کر) یا خدا یہ کیا ماجرا ہے؟

امام مسجد: (ملا کی پریشانی دیکھ کر) سب خیر ہے؟ آپ تو فوراً حساب کر لیتے ہیں۔

ملا: (جیب میں تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے) جی جی، بس ابھی ہو جاتا ہے۔

امام مسجد: (کچھ دیر بعد، دھیرے سے) کتنے روزے باقی ہیں ملا؟

ملا: (جیب میں ہاتھ چلا رہے ہیں)

امام مسجد: عید کب ہے ملا؟

ملا: (بیچارگی سے) امام صاحب، اس سال عید نہیں ہے۔

(تعارف مئی 2021 کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے)

■

Dr. Mohammad Yahya Jamil
Baitul Jalil-9, Aseer Colony
At: Amravati - 444604(Maharashtra)
Email.: myahyajamil313@gmail.com

فردوس بانو فلاحی

عید

آگیا نیکیوں کا پھر موسم
اس کے دربار میں ہوئے سرخم
بھوک اور پیاس ہے اسی کے لیے
جذبۂ بندگی رہے پیہم

شیر خرما نئے نئے پکوان
سے بھرا ہے سبھی کا دسترخوان
بھیڑ کتنی ہے آج بیٹھک میں
اچھے لگتے ہیں آج سب مہمان

ہر بیابان اک گلستاں ہے
ہر شقی قلب بھی مہرباں ہے
یہ زمیں کھل اٹھی ہے مثلِ گلاب
نکہتِ گل بہر سو رقصاں ہے

گزرے لوگوں کو یاد کرلینا
اشک آنکھوں میں اپنی بھر لینا
ہوگئے نذر جو کورونا کی
ان کی دہلیز پر ٹھہر لینا

بے حیائی نے منہ چھپائے ہیں
آج شیطاں نے زخم کھائے ہیں
جس نے راضی کیا ہے اللہ کو
اس نے روزے کے لطف پائے ہیں

سوچ کر دل مرا دونیم ہوا
کوئی بیوہ کوئی یتیم ہوا
اس کے گھر کا چراغ جل جائے
بس خدا ہی ہے جو کریم ہوا

منتظر گھر کا بچہ بچہ ہے
روزے داروں کو عید تحفہ ہے
ختم ہیں انتظار کی گھڑیاں
موجزن دل میں ایک میلہ ہے

شہرِ رمضان کی عنایت ہے
جس سے ہر دل میں اک سخاوت ہے
ہو تونگر کہ ہو پریشاں حال
آج پوری سبھی کی حاجت ہے

■

Firdaus Bano Falahui
Gulmarg Apts. M-109 First Floor (Back Side)
Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

محمد اکرام

عید کارڈ

اس روئے زمین پر انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت آدم اور حوا کو جب اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکال کر اس دھرتی پر بسایا تو ان کے جینے کے لیے بہت سارے وسائل بھی فراہم کیے۔ مخلوق کو زندہ رہنے کی سب سے بنیادی چار چیزوں (ہوا، پانی، آگ اور مٹی) کا انتظام کیا۔ جب یہاں انسان آباد ہوگئے تو انھی کے ذریعے مختلف قبائل پیدا ہوئے اور ایک خوش حال معاشرہ وجود میں آیا۔ ساتھ ہی بہت سی زبانوں اور بولیوں کو بھی وجود ملا۔ دراصل جب بچہ شعور کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسے اپنے جذبات اور احساسات بیان کرنے کے لیے الفاظ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ان لفظوں میں بڑی طاقت اور تاثیر پائی جاتی ہے۔ قلم اور الفاظ کی طاقت کا قرآن پاک میں بھی ذکر ملتا ہے۔ قلم کا تذکرہ تو قرآن مجید میں کئی جگہ موجود ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریلؑ نے سب سے پہلے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) کا ہی درس دیا۔

قلم سے نکلنے والے الفاظ ہی انسان کی تقدیریں لکھتے ہیں اور ہر دور کے انسان اپنے جذبات اور احساسات کے اظہار کے لیے الفاظ کا سہارا لیتے اور مختلف ذرائع استعمال کرتے رہے ہیں۔ پرانے زمانے میں امرا، حکما، سلاطین و غیرہ کی پیغام رسانی کا ذریعہ کبوتر، باز اور کچھ دوسرے پرندے ہوتے تھے لیکن پیغام رسانی کا یہ چلن عام نہیں خاص تھا۔ پھر اس کے بعد جب ڈاک خانے کا نظام شروع ہوا تو خطوط کی مختلف شکلیں ہمارے سامنے آئیں جن سے لوگ پیغام پہنچانے کا کام لیتے تھے۔ خطوط کی ان شکلوں میں میں عید کارڈ کو بہت اہمیت حاصل تھی۔

دو دہائی قبل عید کارڈ کا چلن بہت عام تھا جس کا نظارہ رمضان کی آمد سے پہلے ہی ہر گلی، محلے اور نکڑ پر دیکھنے کو مل جاتا تھا۔ لوگ اپنے دوست احباب سے اظہارِ مسرت کے لیے عید کارڈ کا استعمال بڑھ چڑھ کر کرتے تھے۔ بھائی، بہن، بھابھی، بیوی، دوست احباب اور سہیلیوں کے درمیان عید کارڈ کا تبادلہ خوب ہوتا تھا۔ رشتوں کے مطابق کسی کارڈ میں مختصر پیغامات ہوتے تھے تو کسی پر شاعری، کسی پر پھول پتے ہوتے تھے تو کسی پر خوبصورت چہروں کے عکس۔ کس طرح کا کارڈ آپ کو پسند کرنا ہے یہ آپ کی صوابدید پر منحصر ہوتا تھا۔ دکانوں پر شام کو کسی میلے جیسا ہجوم ہوتا تھا، رنگ برنگی روشنیوں سے دکانیں سجی ہوتی تھیں، جہاں خریداری کے لیے ہر عمر کے افراد موجود ہوتے تھے۔ خریداروں کی ضرورت کے مطابق دوکاندار بھی ملبوسات اور زیورات کو چھوڑ کر عید کارڈ زیادہ بیچتے تھے۔ دکانداروں کے علاوہ اشاعتی ادارے بھی عید کارڈوں کی ڈیزائننگ میں سال

بھر کام کرتے تھے۔ ان اداروں کے درمیان عید کارڈز کی خرید و فروخت کے مقابلے کا نظارہ دیکھنے کے لائق ہوتا تھا۔ پند و نصائح، نیک خواہشات، صحت و عافیت اور لمبی عمر کی دعا کے ساتھ خوبصورت رنگوں سے مزین کارڈ بازاروں اور اشاعتی اداروں میں دستیاب ہوتے تھے۔ مزاحیہ اور خوبصورت شاعری کے ساتھ بچوں کے معصومانہ اور میٹھے بول بھی فضا کو معطر کرتے تھے۔ عید کے قریب بچوں کے ذہن میں یہ خیال گردش کرتا رہتا کہ عید آنے والی ہے ابو کو تنخواہ مل جائے تو ہماری خوشی دوبالا ہوجائے گی۔ بچے اپنی ماؤں سے پوچھتے بھی رہتے کہ امی ابو کو تنخواہ کب ملے گی؟ اگر مل جائے تو مجھے پیسے دلا دیجیے۔ پھر جب ان بچوں کی خواہش ان کے والدین پوری کر دیتے تو بچوں کے چہروں پر خوشی اور مسرت کی جھلکیاں لائق دید ہوتیں۔

بچوں کے ساتھ ننھی منی بچیاں بھی عید کارڈ کا استعمال کرنے میں پیش پیش رہتیں۔ بچیاں ویسے بھی رنگوں کی شائق ہوتی ہیں۔ انھیں رنگوں سے مزین خوبصورت اور دیدہ زیب کارڈ کچھ زیادہ ہی بھلے لگتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی اور پیاری پیاری بچیاں بھی اپنے معصوم جذبات کا اظہار اپنی سہیلیوں کو عید کارڈ بھیج کر کرتی تھیں۔

ابھی رمضان المبارک کی آمد بھی نہیں ہوئی، لیکن ہم نے اپنے ذہنوں میں کارڈ کے خاکے بنانے شروع کردیے کہ کارڈ کیسا ہوگا، ڈیزائننگ کیسی ہوگی، اپنے احباب کے نام کس رنگ میں لکھیں گے، کارڈ کا سائز کیا ہوگا۔ کارڈ کے ساتھ ہم اپنے عزیز و اقربا کو کن القاب سے خطاب کریں گے۔ گو اس ادھیڑ بن میں کبھی کبھی رمضان اپنے اختتام کو آجاتا۔ پھر ہم اپنے دوست و احباب کو یہ کارڈ بھیج کر دنیا جہان کی ساری خوشیاں حاصل کرلیتے۔ کئی دفعہ تو عید کارڈ کی خوبصورتی کو لے کر دوستوں میں مقابلہ ہوتا تھا کہ کس کا کارڈ خوبصورت ہے اور وہ آپس میں الجھ جاتے کہ نہیں آپ کا نہیں ہمارا کارڈ خوبصورت ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسکول اور کالج کے دوست احباب عید کی چھٹی سے پہلے ہی تحفے تحائف بھیج چکے ہوتے تھے۔ اس کے برعکس محلے اور خاندان والوں کا سلسلہ عید کے دن تک چلتا رہتا تھا بلکہ شہروں میں تو عید تین دن تک منائی جاتی ہے، اور تینوں دن خوشی منانے، کھانے پینے، عید کارڈ اور تحفے تحائف وغیرہ کا سلسلہ جاری رہتا۔

عید کارڈز بذریعہ ڈاک روانہ کیے جاتے تھے۔ رمضان کے آخری دنوں میں محکمہ ڈاک کا کام بھی معمول سے بڑھ جاتا تھا۔ یہاں کا بیشتر عملہ عید کارڈ بذریعہ پارسل/ رجسٹرڈ اور عام ڈاک میں بک کرنے اور رسیدیں کاٹنے میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔ ان مصروفیات کو دیکھتے ہوئے عام لوگوں کے لیے ہدایت نامہ جاری ہوتا کہ فلاں وقت تک عید کارڈوں کی ترسیل کے لیے عید کارڈ ڈاک خانے کے حوالے کر دیے جائیں۔ عید کارڈوں کی بہتات کو دیکھتے ہوئے محکمہ ڈاک ان عید کارڈز کو ان کے مقام تک پہنچانے کے لیے خصوصی انتظامات کیا کرتا تھا۔ اس عمل سے صنعت کو بھی فائدہ حاصل ہوتا تھا۔

برِصغیر ہند و پاک میں اپنے رشتے دار، عزیزوں، اور دوست احباب کو عید کارڈ بھیجنے کی روایت کا آغاز انیسویں صدی کے آخری ایام میں ہوا۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک صدی تک جاری رہا۔ ان کارڈز کی مقبولیت کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو ریلوے کے دائرے کا وسیع ہونا اور دوسری وجہ جو عام ہے وہ پرنٹنگ پریس کی سہولیات کا عام ہونا ہے۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ شروع شروع میں جو عید کارڈ ہوتے تھے وہ یورپ کے کرسمس کارڈز کے طرز پر ہوتے تھے۔ انھیں ہینڈ رائٹنگ یا

پرنٹنگ کے ذریعے ضروری ردوبدل کے بعد عید کارڈ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

عید کارڈ کی شہرت اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بہت ساری کمپنیاں اس میدان میں سرگرم عمل ہوگئیں جن میں دہلی کی محبوب المطابع اور بمبئی کی ایسٹرن کمرشل ایجنسی اور بولٹن فائن آرٹ لیتھوگرافر شامل ہیں۔ ان کمپنیوں نے ہندوستان میں عید کارڈز کی چھپائی کے کاروبار میں قدم رکھا لیکن لندن کی کمپنی رافیل ٹک کے چھاپے گئے ہندوستانی مسلم طور وطرز کی تصاویر والے پوسٹ کارڈ بھی استعمال کیے جاتے تھے، رافیل ٹک کے کارڈز برصغیر کی کمپنیوں سے کافی مہنگے تھے، بیسویں صدی کے اختتام تک یہ کام اپنے زوروں پر رہا۔

اب ہم اکیسویں صدی میں ہیں۔ اس صدی میں ٹیکنالوجی اورنئی ایجادات سامنے آئی ہیں، اس صدی کے بچے کافی ذہین وفطین ہیں جن کے لیے انتظار کسی کرب ناک اذیت سے کم نہیں ہوتا۔ آج کے بچوں کو ہر کام میں عجلت زیادہ محبوب ہے۔ انھیں نتیجے جلد چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ڈاک کے بجائے ای میل، فیس بک، وہاٹس ایپ کا استعمال زیادہ ہونے لگا ہے۔ میسیج لکھ کر سینڈ کرتے ہی سامنے والے کو وہ موصول ہوجاتا ہے اور اسی سرعت سے ہمیں اپنے میسیج کا جواب بھی موصول ہوجاتا ہے۔ اب عید کارڈ کے لیے ہم ان ہی برق رفتار وسائل کا سہارا لیتے ہیں اور موبائل کے ذریعے بھی ہم حسین وجمیل کارڈ ڈیزائن کرکے اپنے احباب تک پہنچاسکتے ہیں۔

عید کارڈ کی روایت کے ختم ہونے کی وجہ مہنگائی نہیں وقت ہے۔ اب کسی کے پاس عید کارڈ کی خریداری کے لیے بازار جانے کی فرصت نہیں ہے کہ وہ وہاں جائے، خریداری کرے اور پھر ڈاک خانے جاکر اپنے عزیز و احباب کی خدمت میں ارسال کرے۔ اب ہمارے سامنے ماضی کی بھولی بسری یادیں ہیں، جنھیں بس ہم محسوس کرسکتے ہیں۔ احباب کو بھیجنے جانے والے کارڈ محض کارڈ نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں وہ خلوص اور پیار چھپا ہوتا تھا جس کا خوشگوار احساس دیر تک ذہن و دل پر قائم رہتا تھا۔ اب نئی ٹکنالوجی نے گرچہ بہت ساری سہولیات مہیا کردی ہیں باوجود اس کے ہم اندر سے وہ خوشی محسوس نہیں کرتے جو پہلے کرتے تھے۔ پہلے کی خوشیاں ہمارے دلوں میں دیر تک قائم رہتی تھیں۔ لیکن وقت کے ساتھ بدلنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لیے ہم نے بھی تبدیلیوں کو ناگزیر سمجھا۔ یہ سچ بھی ہے کہ ہمیں زمانے کے ساتھ چلنا ہوگا ورنہ ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ اسی لیے ٹیکنالوجی ہماری مجبوری نہیں بلکہ ضرورت ہے۔ ہم اگر اس برق رفتار دنیا میں وقت کا صحیح استعمال نہیں کرپائے تو پھر بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ لہٰذا ہر اچھی تبدیلی کا خیر مقدم کرنا چاہیے، لیکن پرانی یادوں اور روایتوں کو بھی کبھی کبھی دہرالینا چاہیے تاکہ کسی نہ کسی درجے میں ہمارا رشتہ ماضی سے بھی قائم رہے۔ آج ہم مختلف اقسام کے 'عید کارڈ' کمپیوٹر پر تیار کرکے، معنی خیز الفاظ اور جملے لکھ کر واٹس ایپ اور ای میل کے ذریعے اپنے اعزا واحباب کو بھیج سکتے ہیں۔ بہت سارے لوگ نئی ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھا بھی رہے ہیں۔ وہ خوبصورت 'عید کارڈ' تیار کرکے بذریعہ ای میل اور واٹس ایپ ان کا تبادلہ کرتے ہیں اور بازار جاکر خریداری کرنے اور ڈاک گھر جانے کا وقت بچاتے ہیں۔ اس طرح وہ 'عید کارڈ' کی روایت کو بھی زندہ رکھے ہوئے ہیں اور نئی تبدیلی کے تقاضوں کو بھی پورا کررہے ہیں۔

■

Mohd Ikram
89/6A, Street No.: 1
Ghaffar Manzil, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9873818237

عید پر اشعار

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقع کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔
"چمن چمن کے پھول" میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تا کہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کر سکیں۔ (ادارہ)

خوشی ہے سب کو روز عید کی یاں
ہوئے ہیں مل کے باہم آشنا خوش

میر محمدی بیدار

آج کے دن صاف ہو جاتا ہے دل اغیار کا
آؤ مل لو عید یہ موقع نہیں تکرار کا

منیر نیازی

گل نہ ہوگا تو جشن خوشبو کیا
تم نہ ہوگے تو عید کیا ہوگی

پروین شاکر

تجھ کو میری نہ مجھے تیری خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پاؤں گزر جائے گی

ظفر اقبال

اس سے ملنا تو اسے عید مبارک کہنا
یہ بھی کہنا کہ مری عید مبارک کر دے

دلاور علی آزر

مل کے ہوتی تھی کبھی عید بھی دیوالی بھی
اب یہ حالت ہے کہ ڈر ڈر کے گلے ملتے ہیں

نامعلوم

عید کا چاند تم نے دیکھ لیا
چاند کی عید ہو گئی ہوگی

ادریس آزاد

مہک اٹھی ہے فضا پیرہن کی خوشبو سے
چمن دلوں کا کھلانے کو عید آئی ہے

محمد اسد اللہ

جو لوگ گزرتے ہیں مسلسل رہ دل سے
دن عید کا ان کو ہو مبارک تہ دل سے

عبید اعظم اعظمی

کہہ دیا عید مبارک اس نے
اور مری عید مبارک کر دی

زبیر قیصر

آج میری بھی عید ہو جاتی
تم اگر مجھ سے ملنے آجاتے

بلال جعفری

عید پہ چھٹی نہ مجھ کو مل سکی اس بار بھی
ماں دعاؤں سے میرے رستے سجاتی رہ گئی

فضل خان مروت

محنت

عبدالرحیم نشتر

عبدالرحیم نشتر کا تعلق ناگپور مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے اردو اور فارسی میں ایم اے کیا ہے اور 'اردو ادب میں پیروڈی' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ بچوں کے بڑے ادیبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی نظمیں اور غزلیں نصاب میں بھی شامل ہیں۔ بڑوں کے لیے انھوں نے جہاں بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں وہیں ادب اطفال میں بیچارے فرشتے، کوکن رانی، موتی چور کے لڈو، گل چھرے، بچوں کا سنسار ان کی اہم کتابیں ہیں۔ انھیں ادب اطفال کے ایوارڈز بھی مل چکے ہیں جن میں بزم اطفال مالیگاوں اور مہاراشٹر اردو اکیڈمی کے ایوارڈ قابل ذکر ہیں۔

نرم جھونکے ہوا کے آتے ہیں
دھان کے کھیت لہلہاتے ہیں
بالیاں تالیاں بجاتی ہیں
ننھے پودے تھرکتے جاتے ہیں

کاشتکاروں کی محنتوں کا ثمر
خوشہ خوشہ چمکنے لگتا ہے
چپہ چپہ زمیں سنورتی ہے
لمحہ لمحہ دمکنے لگتا ہے

خوشبوؤں سے مہک رہی ہے فضا
ڈولتی پھر رہی ہے مست ہوا
دانہ دنکا پرندے چگتے ہیں
فصل پکنے لگی تو جشن ہوا

یہ ہی محنت فروغِ انساں ہے
کامیابی اسی میں پنہاں ہے

جب سنہرے پہاڑ سے سورج
دھیرے دھیرے ابھرتا جاتا ہے
سبز پوشاک پہنے سارا کھیت
دھوپ میں اور جھلملاتا ہے

■

Abdur Raheem Nashtar
103, Image Residency
Plot No - 94, Ayyappan Nagar
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

اے خدا علم کی تُو روشنی دے دے مجھ کو
نور میں ڈوبی ہوئی زندگی دے دے مجھ کو

ہاتھ اُٹھے ہیں تیرے سامنے عزّت کے لیے
ہم بھی آئے ہیں یہاں علم کی دولت کے لیے

اپنے ماں باپ کی ہر حال میں خدمت کرلوں
اپنے اُستاد ، بزرگوں کی بھی عزّت کرلوں

جو بُرے کام ہیں، اِن کاموں سے میں دور رہوں
اچھی صحبت جو ملے اس سے میں مسرور رہوں

اِک کھلونے کی طرح اپنے غموں سے کھیلوں
کوئی آئے جو مصیبت اسے ہنس کر جھیلوں

سب تو اللہ کے بندے ہیں نظر میں میرے
سب کی چاہت ہو میرے دِل میں جگر میں میرے

شمع اقبال کی روشن رہے ہر دم یا رب
بس دعا مانگ رہے ہیں یہی مِل کر ہم سب

■

Ali Mohammed Khan (Hunar Rasoolpuri)
M.K. Arts, Opp. Nizari Hotel,
Bhindi Bazar Signal
Mumbai-400008(Maharashtra)
Mob : 7718937729

رخشاں ہاشمی

میں تمھاری کتاب ہوں بچو!
سب کی آنکھوں کا خواب ہوں بچو!
میری صحبت میں جو بھی آتا ہے
وہ ترقی بھی خوب پاتا ہے
سب کو انسان میں بناتی ہوں
میں بلندی پہ لے کے جاتی ہوں
مجھ سے گہری ہے دوستی جس کی
سمجھو بدلی ہے زندگی اس کی
اچھے اچھے سبق پڑھاتی ہوں
میں بڑا آدمی بناتی ہوں
بچو! میری یہی گزارش ہے
اور یہی میرے دل کی خواہش ہے
علم و عظمت کی بستیاں مجھ میں
کامیابی کی سیڑھیاں مجھ میں
جو بھی میرے قریب آتا ہے
کر کے محنت وہ آگے جاتا ہے
میں بہت لاجواب ہوں بچو!
میں تمھاری کتاب ہوں بچو!

■

Rakhshan Hashmi
Hashmi Maskan
Shah Zubair Road
Munger - (Bihar)
Mob.: 9304342562

نظم

آؤ پیڑ لگائیں

ثناء اللہ ثنا دوگھروی

ثناء اللہ ثنا کا تعلق دوگھرا، ضلع دربھنگہ سے ہے۔ انھوں نے للت نارائن متھلا یونیورسٹی دربھنگہ سے علم سیاسیات میں ایم اے کیا ہے۔ روزنامہ 'انقلاب' پٹنہ سے بہ حیثیت سینئر سب ایڈیٹر وابستہ ہیں۔ شاعری، تبصرہ نگاری، مضمون نگاری کا شوق ہے، ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ 'اڑان سے آگے' 2019 میں منظر عام پر آیا تھا۔ بچوں کی نظموں کا ایک مجموعہ 'ستاروں سے آگے' زیر طبع ہے۔ رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات تواتر کے ساتھ چھپتی رہی ہیں۔ کئی نثری اور شعری کتابیں ترتیب و اشاعت کے مرحلے میں ہیں۔

پیڑ پودوں سے ہے زمیں پہ بہار
پیڑ پودوں سے ہے زمیں کا سنگار
حسن پہ ہے زمیں کے ان سے نکھار
ان کے دم سے زمیں ہے سبزہ زار
پیڑ پودوں کے بن زمیں بنجر
کوئی ہوتا نہیں حسیں منظر
رنگ و عشرت مسرتوں کا بیاں
پیڑ پودے ہیں عافیت کا جہاں
ان کو کہیے چہل پہل کی زباں
اصل میں ہیں یہ زندگی کے نشاں
یہ زمیں کا لباس ہیں پیارے
جس سے محروم چاند اور تارے
خوب کھاتے ہو جو مزے سے پھل
لال پیلے یہ رنگ برنگے پھل
میٹھے میٹھے سے یہ رسیلے پھل
تندرستی تمھیں یہ دیتے پھل
پیڑ پودے اگر نہیں ہوتے
یہ سماں کیسے دل نشیں ہوتے
یہ جو کھانے لذیذ کھاتے ہو
ہورلکس کے مزے جو پاتے ہو
تن پہ کپڑے نئے سجاتے ہو
تیل، خوشبو جو تم لگاتے ہو
پیڑ پودوں سے سب کہانی ہے
زندگی ان سے ہی سہانی ہے
یہ جڑی بوٹیاں کہاں سے آئیں
لوگ سوچو دوا کہاں سے لائیں
ہم شکر بھی بھلا کہاں سے کھائیں
چائے، کافی کہو کہاں سے پائیں
پیڑ آؤ چلو لگاتے ہیں
زندگی میں بہار لاتے ہیں

■

Sahanullah Sana Dogharvi
Village & Post: Doghra
Vaya: Jala
Distt.: Darbhanga - 847302 (Bihar)

محمد وکیل

ترے بن مرا گھر تو ویران ہے ماں

ترے بن مرا گھر تو ویران ہے ماں
رہِ زندگی اب تو سُنسان ہے ماں

سبھی رشتے اپنی جگہ ہیں مقدّس
بفضلِ خدا تُو ہی ذیشان ہے ماں

تُو جب تک ہے زندہ کروں تیری خدمت
یہی تیرے بیٹے کا ارمان ہے ماں

تجھے فکر میری، مجھے فکر تیری
مری جان تجھ پہ ہی قربان ہے ماں

یہ محسوس ہوتا ہے دیدار کر کے
غموں کی دوا تیری مُسکان ہے ماں

نہ خفگی کی حالت میں ماں کی ہو رحلت
یہ اولاد کے حق میں نقصان ہے ماں

نبیؐ کا کرم اور تیری دعا ہو
علیمی کے دل میں یہ ارمان ہے ماں

■

Md. Wakeel
B. L. No4, House No.: 5
Po.: Kankinara,
24. Parganas (North) - 743126 (West Bengal)

مہناز بانو

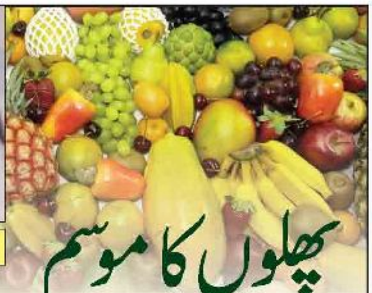

پھلوں کا موسم

آگئی گرمی پھل لے کے اب تو
ہوچکی ہے خبر اس کی سب کو
پھل کا موسم ہر اک سال آئے
سب پھلوں میں مجھے آم بھائے
آم دیتا ہے ہم کو وٹامن
جی تو کرتا ہے کھائیں ہر اک دن
محتشم نے کہا ابو سے جب
کھائیں گے صرف ہم آم ہی اب
پھر نبیلہ نے کرکے تبسم
سارے پھل کھاؤں میں، آم بس تم
آم کا میں بناؤں گی سرکہ
نا کرے کوئی میرا یہ ہسکا
یہ شہہِ دیں کو مرغوب تھا جب
اس لیے مجھ کو محبوب ہے اب
سیب، انگور یا آم کا ہے
بچو! سرکہ بڑے کام کا ہے
تھا نبیؐ کو بھی محبوب سرکہ
سب کو ہوجائے مرغوب سرکہ

■

Mehnaz Bano
B.L. No:4, H. No: 5, Po.: Kankinara
North 24, Parganas - 743126
Kolkata (West Bengal)
Mob.: 8820975550

مناظر حسین

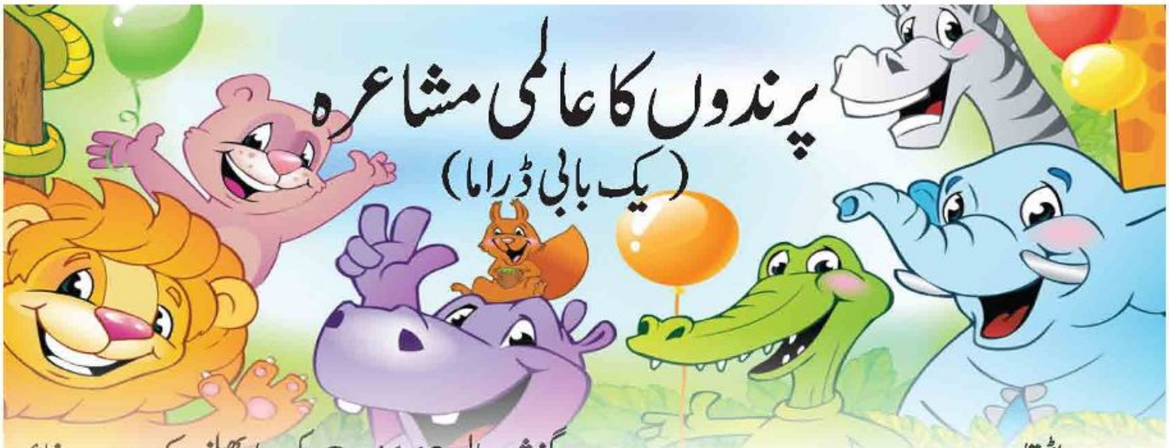

پرندوں کا عالمی مشاعرہ

(یک بابی ڈراما)

پردہ اٹھتا ہے۔

مشاعرے کے اسٹیج کو فطری انداز میں سجایا گیا ہے۔ چھوٹا سا میدان سرسبز گھاس کے مخملی قالین کا نظارہ پیش کر رہا ہے۔ اس کے چاروں طرف ہرے تراشے ہوئے پودوں کی باڑ۔ سامنے چنبیلی کا منڈوا اس کی پشت پر سرخ گلابوں کی قطاریں اور پھر ٹھیک اس کے پیچھے خوبصورت چنار کے درخت۔ شعرا کی نشست گاہ چنبیلی کے منڈوے کو بنایا گیا ہے یعنی پرند شعرا اسی مقام سے اپنا اپنا کلام پیش کریں گے۔

سامعین کی صف ٹھیک اس کے سامنے ہوگی۔ بزرگ پرندے پچھلی صفوں میں اور چھوٹے پرندے اگلی صفوں میں بیٹھ چکے ہیں۔ پرند شعرا بھی اپنی اپنی نشستوں پر تشریف لا چکے ہیں۔ ان کی پشت کے پیچھے ذرا اوپر ایک دل کش بینر لگا ہے جس پر اردو زبان میں تحریر ہے ''انجمن طائران سبز باغ کا سالانہ عالمی مشاعرہ''

اچانک اسٹیج پر قدرے ہلچل ہوتی ہے۔ مشاعرے کے کنوینر عقاب آسمانی مائک کے سامنے تشریف لا چکے ہیں۔ سامعین اور شعرا اپنے پنکھ پھڑ پھڑا کر یعنی تالیاں بجا کر ان کا استقبال کرتے ہیں:

عقاب آسمانی: حضرات! مقام مسرت ہے کہ آج اس مقام پر ہم نے پرندوں کے عالمی مشاعرے کا انعقاد کیا ہے۔ گزشتہ سال Covid-19 کی وبا پھیلنے کے سبب یہ مشاعرہ ملتوی ہو گیا تھا۔ اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ کرم اور احسان ہے کہ اب دنیا کو اس وبا سے (قریب قریب) نجات مل چکی ہے۔ اس بار ہم نے اپنے اس عظیم مشاعرے میں عالمی سطح کے مشہور پرند شعرا کو دعوت دی ہے۔ ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

(پرندوں کی تالیوں سے فضا گونج اٹھتی ہے)

دوستو! اب میں آپ سے شعرا کا تعارف کراتا ہوں۔ یہ ہیں ہمارے پڑوسی ملک پاکستان سے تشریف لائے ہوئے مشہور و معروف شاعر طوطا پاکستانی۔ ان کے بغل میں مینا سوڈانی، جاپان کے معتبر ادیب، شاعر اور ناقد ہنس جاپانی، ایران کی خوش گلو شاعرہ بلبل ایرانی، پڑوسی ملک بنگلہ دیش سے تشریف لائی ہوئی مستند اور معروف شاعرہ فاختہ شادانی اور پڑوسی ملک افغانستان سے تشریف فرما مقبول شاعر شاہین افغانی۔

ہمارے اپنے ملک ہندوستان کے مشہور و ممتاز شعرا اور شاعرات بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ کوا ہندوستانی، کرگس بیابانی، مور بارانی اور کوئل مہارانی۔ ہم تمام شعرائے کرام کا پرخلوص استقبال کرتے ہیں (تالیوں کی گونج.....)

اس سے قبل کہ مشاعرے کا آغاز ہو، میں اس مشاعرے کی صدارت کے لیے افغانستان سے تشریف لائے

ہوئے معروف شاعر اور ناقد شاہین افغانی کا نام پیش کرتا ہوں اور اس مشاعرے کی نظامت فرمائیں گی، خوش گلو اور مترنم شاعرہ کوئل مہارانی (تالیوں کی گونج میں "ہم تائید کرتے ہیں" کی آواز بلند ہوتی ہے)

کوئل مہارانی: دوستو! میں محترم عقاب آسمانی کی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس شاندار مشاعرے کی نظامت کا بوجھ مجھ ناچیز کے کمزور شانوں پر ڈالا۔ حضرات! یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ اس اہم مشاعرے میں پرند شعرا دور دراز سے پرواز کر کے تشریف لائے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے دلوں میں اردو کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آج کے اس عظیم مشاعرے میں ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ جب تک زندہ رہیں گے، زبان اردو اور فروغ اردو کے لیے زندہ رہیں گے۔

ہر ایک شاخ پہ کچھ دیر چہچہانا ہے
پھر اس کے بعد پرندوں کو لوٹ جانا ہے

(پنکھوں کے پھڑ پھڑانے یعنی تالیوں کی گونج دیر تک جاری رہتی ہے)

محترم سامعین! میں اب اور زیادہ آپ کو انتظار نہیں کروانا چاہتی۔ مشاعرے کا باقاعدہ آغاز کرتے ہوئے میں ایک ایسی شاعرہ کو بلانے جا رہی ہوں جو اپنی شاعری کے ذریعے ہمیشہ امن کا پیغام دیتی رہی ہیں۔ میری مراد محترمہ فاختہ شادانی سے ہے۔ میں انھیں اس شعر سے دعوت سخن دے رہی ہوں۔

آیئے ہم ذرا غور اس پر کریں
کتنی محفوظ ہے امن کی فاختہ

فاختہ شادانی: اسٹیج پر تشریف فرما تمام معزز شعرا و شاعرات اور تمام سامعین کو تسلیم و آداب۔ غزل کے چند اشعار سنا رہی ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

سوچتی ہوں میں ہندوستاں کے لیے
میری مٹی ہے امن و اماں کے لیے
ہوں ذرا سی مگر عزم پختہ تو ہے
میری پرواز ہے آسماں کے لیے
میرے دانشورو، جنگ اچھی نہیں
درد دل میں ہو سارے جہاں کے لیے

(واہ واہ اور سبحان اللہ سے فضا گونج اٹھتی ہے)

کوئل بیابانی: ابھی آپ فاختہ شادانی سے ان کے دلکش اشعار سماعت فرما رہے تھے۔ اب میں بڑے احترام سے کرگس بیابانی کو آواز دے رہی ہوں۔

کرگس بیابانی: چند تازہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

پیا ہے میں نے اب تک سیکڑوں دریاؤں کا پانی
میں شاعر ہند کا ہوں نام ہے کرگس بیابانی
کہیں ہو جانور مردہ کوئی، ہم دیکھ لیتے ہیں
ہوا میں سونگھ کر بو ہم پہنچ جاتے ہیں واں یعنی
ہماری ذات تو کمیاب ہوکر رہ گئی یارو
صفائی کرنے میں اپنی جماعت بھی تھی لاثانی

(واہ واہ اور تالیوں کی گونج)

کوئل مہارانی: ابھی کرگس بیابانی غزل سرا تھے۔ ان کے اشعار دلکش بھی تھے اور حقیقت افروز بھی۔

"اب جگر تھام کر بیٹھو میری باری آئی۔" ہاں دوستو! اب میں مور بارانی کو کو آپ کے حوالے کر رہی ہوں جو محو رقص ہو کر آپ کو اپنے اشعار سنائیں گے۔

مور رانی: دوستو معاف کیجیے۔ دراصل باراں کا آغاز ہو گیا ہے۔ آسمان پر کالی گھٹائیں چھانے کو بیتاب ہیں۔ ایسے سہانے موسم میں اپنے آپ کو میں روک نہیں پایا اور بے خودی میں یہ رقص صادر ہو گیا۔ اب جناب صدر مشاعرہ کی اجازت

سے میں غزل کے چند اشعار پیش کرتا ہوں، سماعت فرمائیں۔

بادل گھر کر آئیں تو　　کالی گھٹائیں چھائیں تو
جھوم جھوم کر رقص کروں　　وہ بارش برسائیں تو
ہے طاؤس بھی میرا نام　　بچوں کو بتلائیں تو
چھائیں گھٹائیں بے موسم　　وہ زلفیں لہرائیں تو

کوئل مہارانی: واہ واہ! سبحان اللہ! مور بیابانی صاحب نے تو واقعی کمال کر دیا۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے خوب صورت اشعار سے ہمیں محظوظ کیا بلکہ اپنے دلکش رقص سے ہمارے دلوں کو موہ لیا۔ مبارکباد!

ان کے بعد میں جناب کوا ہندوستانی کو دعوت دے رہی ہوں۔

کوا ہندوستانی: حضرات! چند اشعار پیش کرتا ہوں شاید آپ کو پسند آجائیں۔

گزرا ہزار بار ہوں میں دھوپ چھاؤں سے
ہوئی ہے سب کی صبح میری کاؤں کاؤں سے
روٹی جھپٹ بھی لیتا ہوں بچوں کے ہاتھ سے
میں اپنا رزق لاتا ہوں ہر ایک گاؤں سے

(کوا ہندوستانی زبردست تالیوں کی گونج میں اپنی نشست سنبھالتے ہیں)

مور رانی: حضرات! اب میں مشاعرہ کی ناظمہ کوئل مہارانی کی بلانے جارہی ہوں جن کی شیریں آواز پر سارا زمانہ فدا ہے۔ اب میں انھیں دعوتِ سخن دے رہا ہوں کہ وہ آئیں اور اپنا کلام پیش کریں۔

کوئل مہارانی: مور بیابانی صاحب شکریہ کہ انھوں نے میری اتنی عزت افزائی کی۔ اللہ کا بے پناہ شکر ادا کرتے ہوئے میں چند اشعار پیش کر رہی ہوں۔ سماعت فرمائیں۔

یارو! جب میں بولتی ہوں　　کانوں میں رس گھولتی ہوں
برگ و شجر ہیں دوست مرے　　شاخ شاخ پر ڈولتی ہوں
کالی ہوں، دل والی ہوں　　میٹھی بولی بولتی ہوں

(کلام کے اختتام پر کوئل مہارانی اپنی مخصوص آواز میں ''کو ہو۔ کوہو'' کی صدائیں بلند کرتی ہیں۔ تمام شعرا اور سامعین اپنی تالیوں سے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں)۔

کوئل مہارانی: دوستو! مقامِ شکر ہے کہ میری آواز اور میرا انداز کلام آپ کو پسند آیا۔ اب میں ایک ایسے شاعر کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں جو سورج کے دیش سے تشریف لائے ہیں۔ میری مراد جناب ہنس جاپانی سے ہے۔ لیجیے ان کے کلام سے قلب و جاں کو مسرور کیجیے۔ چند اشعار آپ کی سماعتوں کے حوالے۔

خوئے مشرق لایا ہوں　　میں جاپان سے آیا ہوں
مغرب کی ہے بو مجھ میں　　مشرق کا سرمایہ ہوں
چال مری مشہور بہت　　دیکھ کے خود شرمایا ہوں
دودھ سے اجلے پنکھ میرے　　سورج کا ماں جایا ہوں

(غزل کے اختتام پر تالیوں کی بے پناہ آواز سنائی دیتی ہے)

کوئل مہارانی: دوستو! ابھی آپ ہنس جاپانی کے دلکش اور مرصع کلام سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اب میں سوڈان سے تشریف لائی ہوئی مقبول و معروف اور خوبصورت شاعرہ مینا سوڈانی کو آواز دے رہی ہوں، کہ وہ آئیں اور اپنا کلام پیش کریں۔

مینا سوڈانی: حضرات! اپنے وطن سوڈان سے ایک طویل مسافت طے کر کے آج ہی صبح آپ کے خوبصورت ملک میں آئی ہوں۔ میں چھوٹی بحر میں اپنی غزل پیش کر رہی ہوں۔ سماعت کرلیں۔

مینا ہوں میں مینا ہوں　　شاخِ چمن کی مینا ہوں
طوطا سچا دوست مرا　　میں تو اس کی بہنا ہوں
پیاری پیاری باتیں کرتی ہوں　　سب کی آنکھ کا تارا ہوں
چھوٹی ہوں تو کیا غم ہے　　خالق کا شہ پارہ ہوں

(تالیوں کی گونج میں رخصت ہوتی ہیں)

کوئل مہارانی: اب میں جناب طوطا پاکستانی کو اس شعر کے ذریعے آواز دیتی ہوں۔

خدا کے واسطے مہر سکوت توڑ بھی دے
تمام شہر تری گفتگو کا پیاسا ہے

(طوطا پاکستانی زبردست تالیوں کی گونج میں مائک پر تشریف لاتے ہیں)

طوطا پاکستانی: تازہ غزل کے چند اشعار آپ کی نذر ہیں، کسی قابل ہوں تو دعاؤں سے نوازدیں۔

مجھے دیکھو، محبت کا چھلکتا جام لایا ہوں
وفا و مہر کا سورج بہ وقت شام لایا ہوں
دلوں کے فاصلے مٹ جائیں ہم سب ایک ہوجائیں
وطن سے اپنے یارو بس یہی پیغام لایا ہوں

(کلام کے اختتام پر داد وتحسین کا ایک شور بلند ہوتا ہے جو تادیر جاری رہتا ہے)

کوئل مہارانی: حضرات! طوطا پاکستانی صاحب نے آج واقعی ہمارا دل جیت لیا۔ دوستو! اب ہماری فہرست میں صرف دو نام باقی رہ گئے ہیں۔ اب میں ایران کی رجدھانی تہران سے تشریف لائی ہوئی مترنم اور خوبصورت شاعرہ بلبل ایرانی کو دعوت سخن دے رہی ہوں میری درخواست ہے کہ وہ اپنا کلام اپنے مخصوص ترنم سے پیش کریں۔

بلبل ایرانی: حضرات! چھوٹی بحر کی ایک غزل ترنم سے پیش کررہی ہوں۔ ملاحظہ کیجیے۔

دنیا میں لاثانی ہوں — بل بلبل ایرانی ہوں
موسم لائے لاکھ خزاں — پھر بھی دھانی دھانی ہوں
تلخ ہوئی انساں کی زباں — دیکھ کے پانی پانی ہوں
مر کے رہوں گی میں زندہ — مت سمجھو کہ فانی ہوں

کوئل مہارانی: حضرات! اب میں افغانستان سے تشریف لائے محترم اور معزز شاعر جناب شاہین افغانی کو اس شعر کے ذریعے آواز دے رہی ہوں کہ وہ تشریف لائیں۔

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

شاہین افغانی: حضرات! وقت کافی گزر چکا ہے، لہٰذا میں بلاتمہید اپنا کلام پیش کرتا ہوں۔

ہمیشہ کوہساروں میں، بیابانوں میں رہتا ہوں
نشیمن کیوں بناؤں میں تو چٹانوں میں رہتا ہوں
میں زنجیر غلامی توڑ کر آزاد ہوں پیارے
کوئی طائر بتا دے کب میں زندانوں میں رہتا ہوں

(اختتام کلام پر بے پناہ داد وتحسین کی تالیاں تا دیر فضاؤں میں گونجتی ہیں)

کوئل مہارانی: صدر مشاعرہ جناب شاہین افغانی کے انقلابی اور مرصع کلام نے واقعی ہمارے دلوں کو گرمایا ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار کے توسط سے یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کا آفاقی پیغام دیا ہے۔ ہم سب ان کے ممنون ہیں اور ان کی صحت وسلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

اور دوستو! اسی کے ساتھ اس اہم اور یادگار مشاعرے کی کارروائی کا اختتام ہوتا ہے۔

(مشاعرے کے اختتام کا اعلان باقاعدہ کنوینز کے شکریے کے ساتھ ہوتا ہے)

(تعارف جنوری 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Monazir Hussain
H.No.: 60, Millat Colony
Gaya- 823001 (Bihar)
Mob.: 9661214111

باتیں زید میاں کی

محمد اسداللہ

ننھے زید میاں اب خیر سے گیارہ برس کے ہیں اور چھٹی جماعت میں پہنچ چکے ہیں۔ وہ اب بھی اسی طرح مزے مزے کی باتیں کرتے ہیں جیسے اس وقت کیا کرتے تھے جب انھوں نے پہلے پہل بولنا شروع کیا تھا۔ ان کے عجیب و غریب خیالات جو سنتا، دانتوں تلے انگلی داب لیتا۔ آج ان کے بہت سے واقعات یاد آ رہے ہیں۔ سوچا آپ کو بھی اس میں شریک کرلوں۔

سبھی بچے جب ہوش سنبھالتے ہیں اور بولنا شروع کرتے ہیں تو بات بات پر سوال کرتے ہیں، سننے والے جوابات دیتے دیتے تھک جاتے ہیں۔ اسی طرح چھوٹے بچے اکثر نئی باتوں اور نئے الفاظ کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیتے ہیں اور انھیں موقع بہ موقع اور کبھی بے موقع استعمال کر کے لطیفے بھی بناتے ہیں۔ بھلا زید میاں اس سے کیسے بچ پاتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دوستوں کے درمیان باتوں باتوں میں سن لیا تھا کہ ناک سے نکلنے والی چپ چپی سی چیز جب سوکھنے کے بعد باہر نکلتی ہے تو اسے ''چوہا'' کہتے ہیں۔

ایک دن زید میاں اپنے دادا کے ساتھ گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ سامنے سڑک پر کوئی عجیب سی چیز پڑی ہے۔ اپنے دادا سے پوچھا: دادا جان یہ کیا ہے؟

'یہ چوہا ہے، مر گیا، ہے' دادا جان نے جواب دیا۔
اوہ، اتنا بڑا چوہا! زید میاں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں
...، دادا جان یہ کس کی ناک سے نکلا ہے؟
یہ سن کر دادا جان زور سے ہنس دیے۔

زید میاں جب کے جی کے بعد پہلی جماعت میں پہنچے تو ان کا داخلہ ذرا دیر میں ہوا۔ بیمار ہونے کے سبب وہ کئی دنوں تک اسکول نہ جا سکے۔ جب پوری طرح ٹھیک ٹھاک ہو گئے تو اسکول پہنچے۔ ان کی ٹیچر نے یہ سوچ کر کہ اب تک جو پڑھایا گیا ہے وہ بھی انھیں بتا دینا چاہیے، وقت نکال کر پہلے ہی دن زید میاں کو سمجھایا۔ زید میاں ہر سبق کو بہت دھیان سے سنتے رہے۔ جب ٹیچر خاموش ہو گئیں تو کہنے لگے، 'ارے واہ میڈم! آپ کو تو سب آتا ہے'۔ ان کی یہ بات سن کر ٹیچر اپنی ہنسی روک نہیں پائیں۔

جنگل کے سارے جانوروں میں زید میاں کا پسندیدہ جانور شیر ہے۔ کہانیاں، کارٹون اور تصویریں بھی زیادہ تر انھیں ایسی ہی پسند تھیں جن میں شیر موجود ہو۔ انھوں نے اپنی ڈرائنگ بک سے ایک البم بنایا تھا جس میں مختلف جانوروں کی تصویریں جو انھیں کہیں اخباروں اور رسالوں میں مل جاتیں، کاٹ کر چپکا لیا کرتے تھے۔ یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان تصاویر میں بھی شیر سب پر چھایا ہوا تھا۔ زید میاں کے گھر کے قریب ہر سال کچھ غیر مسلم ایک بڑا سا اسٹیج بناتے اور اس کے گرد پنڈال لگا کر درگا دیوی کو بٹھاتے تھے۔ ایک شیر پر سوار ایک عورت ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے ہے، اس قسم کا وہ منظر ہوتا۔

ایک مرتبہ زید اپنے ابو، امی اور دادی کے ساتھ ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ وہ سب کسی ہل اسٹیشن کی سیر کے لیے نکلے تھے۔ صبح صبح ٹرین جب ایک بڑے اسٹیشن پر رکی تو چائے اور دوسری چیزیں بیچنے والوں نے ٹرین کے باہر اور اندر شور مچانا شروع کر دیا۔ اس ہنگامے سے زید میاں کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کی برتھ کے پاس سے ایک لڑکا زور زور سے چیختا ہوا گزرا، ''چائے لو چائے۔'' تھوڑی دیر بعد ایک آدمی جاتے جاتے آواز لگا تا تھا 'چائے چائے، چائے چائے'، اور اس کے بعد تو جو دو تین لوگ گزرے سب اتفاق سے چائے بیچنے والے ہی تھے۔ زید کے ابو بھی قریب بیٹھے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ اسی ٹرین کا ایک مسافر وہاں سے گزرا، شاید اسے باتھ روم جانا تھا۔ زید میاں نے دیکھا کہ انکل خاموشی سے چلے جا رہے ہیں تو بہت حیران ہوئے اور اپنے ابو سے کہنے لگے، '' ابو، ابو! دیکھیے، انکل چائے چائے نہیں بولے''۔ یہ سن کر ان کے ابو ہنس دیے۔

غرض اسی قسم کی نہ جانے کتنی مزیدار باتیں ہیں جو زید میاں کے منھ سے پھولوں کی طرح جھڑتی ہیں اور سننے والوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی ہیں۔

(تعارف فروری 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ھے)

■

Mohd Asadullah
30, Gulsitan Colony
Nagpur - 440013 (Maharashtra)
Mob.: 9579591149

وہ بس اسٹاپ پر تنہا کھڑا تھا۔ گلے میں بستہ لٹکائے اسکول کی ڈریس، نیلی نیکر اور سفید بش شرٹ میں ملبوس۔

گھر جلد پہنچنے کے لیے بس کے انتظار میں وہ بار بار اس سمت دیکھ رہا تھا، جدھر سے وہ بس آتی ہے جس میں سوار ہو کر وہ ہمیشہ گھر جایا کرتا تھا۔

اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ بس اکثر سوا پانچ بجے آجایا کرتی تھی، لیکن آج ابھی تک بس نہیں آئی تھی۔

سورج کا چہرہ جیسے جیسے زرد ہو رہا تھا، اس کے چہرے پر بے قراری کے نقوش ابھر رہے تھے..... وہ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ گھڑی کے چمکیلے ڈائل پر سیکنڈ کی باریک سوئی وقت کا بوجھ اٹھائے اپنے منفرد انداز سے جیسے جیسے گھوم رہی تھی ویسے ویسے اس کا ذہن اپنے گھر کا طواف کر رہا تھا.....

امی میرا کتنا انتظار کر رہی ہوں گی۔ ابو بھی آفس سے آنے کے بعد کافی پریشان ہو رہے ہوں گے..... دالان میں اپنے ہاتھ پشت پر باندھے ٹہل رہے ہوں گے جیسے پریشانی کے عالم میں اکثر ٹہلتے ہیں، اور امی! بار بار دہلیز پر آ رہی ہوں گی۔ دروازے کے پٹ کھول کر میری راہ تک رہی ہوں گی.....

حالانکہ میں نے ان سے بارہا کہا کہ بھیڑ زیادہ ہونے کی وجہ سے کبھی بس نہیں ملتی اور کبھی لیٹ آتی ہے اس لیے میرا انتظار مت کیا کرو..... مگر والدین کا دل بھی عجیب احساس بھرا دل ہوتا ہے۔ دنیا کے سارے دلوں میں سب سے زیادہ ذی حس۔

وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا..... سوچتے سوچتے جیسے ہی اس کی نگاہیں بس اسٹاف کی بینچ کے نیچے گئیں، اس کے بنے ہوئے خیالات پر جیسے کسی نے قینچی چلا دی۔ اس کا دل اچھل کر جیسے حلق میں اٹک گیا۔

اس نے اپنے اطراف دیکھا۔ سامنے سڑک پر لوگ دوڑے چلے جا رہے تھے، کچھ پیدل، کچھ سائیکلوں پر، اسکوٹر، کچھ موٹر سائیکل، آٹو رکشے میں سوار بسوں اور کاروں میں بیٹھے ہوئے۔

بس اسٹاف کے اس بک اسٹال پر کچھ لوگ رسالے اور اخبارات پڑھ رہے تھے..... کوئی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے دزدیدہ نگاہوں سے پھر بینچ کے نیچے پڑے ہوئے پرس کو دیکھا جو مرے ہوئے چوہے کی طرح پھولا ہوا تھا۔

''پس کتنا پھولا ہوا ہے۔ اندر کتنے نوٹ ہوں گے۔''

یکایک اس نے اپنے آپ کو پرس کے اندر جاتا ہوا محسوس کیا۔ پانچ سو، سو، پچاس، بیس، دس کے نوٹوں کی کڑکڑاہٹ کا اسے احساس ہونے لگا۔

میرے ابو کتنے پریشان رہتے ہیں۔ مہینے کے آخری دنوں میں جب تنخواہ کی رقم ختم ہو جاتی ہے اور کتنی ہی ضرورتیں

پوری نہیں ہوتیں، بلکہ ہر مہینے نئی ضرورتیں خود رو پودوں کی طرح اگ آتی ہیں، کچھ میری، کچھ ان کی، کچھ امی جان کی اور وہ ہمیشہ میری ضرورتیں پوری کرتے چلے جاتے ہیں۔ کتنے خوش ہوتے ہیں والدین میری خواہش پوری کرکے۔

کئی مہینوں سے ابو اور امی اپنے لیے کپڑے بنانے کی سوچ رہے تھے۔ ابو کو بونس ملا تو امی کو بازار لے گئے۔

جب وہ بازار سے گھر آئے تو میں نے ابو کے ہاتھ میں ڈبہ دیکھا اور امی کی بغل میں کپڑوں سے بھری تھیلی۔ آتے ہی انھوں نے میرے سامنے ڈبہ کھولا اور مجھے یاد آ گیا۔

ایک بار میں ابو کے ہمراہ بازار سے سودا لانے گیا تھا، جوتوں کی دکان کے سامنے شوکیس میں رکھے ہوئے ایک جوتے پر میری نگاہیں مرکوز ہوگئی تھیں ”ابو کتنا اچھا جوتا ہے“

”ہاں بیٹے! جب مجھے بونس ملے گا نا، تمھیں لے دوں گا۔“

اب وہ جوتا میرے سامنے تھا اور ابو میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور میں ان کی چپل کی طرف، جس کی ایڑیاں گھس گئی تھیں۔ اسی اثنا میں امی نے کپڑوں کی تھیلی سے میرا ریڈی میڈ بش شرٹ نکالا اور میرے کندھوں سے لگا کر مجھے ایسے دیکھنے لگیں جیسے کوئی قد آدم آئینہ کے سامنے بہترین سوٹ پہن کر خود کو دیکھتا ہے۔

— میری آنکھیں بھر آئیں کیونکہ میں نے اپنی امی کے اٹھے ہوئے بازوؤں سے بلاؤز کی آستین کا نچلا حصہ دیکھ لیا تھا، جس میں رفو کیے ہوئے تھے۔

”کیوں پسند نہیں!“ میرا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر امی، ابو ایک ساتھ پوچھ بیٹھے۔

”اچھا ہے..... لیکن آپ نے اپنے لیے!“

”ارے —، آں . . .! بات ایسی ہے بیٹا، یہ پہننے اوڑھنے کے دن تمھارے ہیں“ ابو میری پیٹھ تھپتھپانے لگے تھے، اور امی میرے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرنے لگی تھیں.....

وہ اپنی پیٹھ پر اپنے ابو کی تھپکیاں محسوس کرنے لگا اور سر میں اسے اپنی امی کی لانبی لانبی انگلیاں سرسراتی ہوئی لگنے لگیں۔

وہ اپنی سوچ کے دائرے سے نکل پڑا اور پھر پرس کی طرف دیکھنے لگا... اسے لگا جیسے اس کے اطراف کے ماحول کی آنکھیں نکل آئیں اور وہ آنکھیں اسے گھور رہی ہیں.....

سہمی سہمی نگاہوں سے اس نے سارے ماحول پر طائرانہ نظر ڈالی..... سارا ماحول اپنے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ یہ اس کے ذہن کا فتور تھا جو پانی کے بلبلے کی طرح ختم ہوگیا۔

وہ اپنے بستے سے ایک کتاب نکال کر ہولے ہولے قدموں سے آگے بڑھا..... پھر اس نے پرس کے قریب کتاب گرا دی اور دوسرے ہی لمحے چالاکی سے کتاب کے ساتھ پرس اٹھا لیا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کا دل کانوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی— اب اس کا جی بے اختیار چاہ رہا تھا کہ کسی طرح پرس کھول کر دیکھے۔ اس میں جھانکے— مگر کس طرح؟ کسی نے دیکھ لیا تو؟!

سوال نے اسے تھوڑا خوفزدہ کر دیا..... پھر فوراً ایک آئیڈیا اس کے ذہن میں آیا۔ اس نے کتاب کھول کر اس کے درمیان میں پرس رکھا اور اسے کھول کر اس طرح دیکھا جیسے کتاب پڑھ رہا ہو۔

پرس میں اسے پانچ سو اور سو سو کے نوٹ دکھائی دیے۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ رگ و پے میں ایک انوکھی خوشی کا احساس دوڑ گیا۔

..... میں کیا کروں ان روپیوں کا؟ معاً اس سوال نے اس کے ذہن پر دستک دی۔ ذہن کا دروازہ کھلتے ہی بہت ساری فکریں، پریشانیاں، ضرورتیں اپنا روپ لیے نکل آئیں.....

ابو کی ایڑیاں، گھسی چپل، ان کا بدرنگ لباس، اپنی امی کا رفو کیا ہوا بلاؤز، ان کی بے رنگ ساڑی کا کھونچا لگا آنچل...

ابو کا پیسوں کے لیے ہر دم پریشان رہنا، گھر کی ادنیٰ سی ضرورت کا کبھی پیسوں کے نہ ہونے کی وجہ سے پورا نہ ہونا۔ ہر چیز کے لیے اس کا ترسنا۔ ان گنت خواہشوں کا گلا گھوٹنا.....

اف! کتنی اذیت ہوتی ہے جب خواہشوں کا دم گھٹتا ہے اور نظروں کے سامنے بہت سارے لوگ اپنی ادنیٰ سی خواہش کے لیے اپنی گرم جیبیں الٹ دیتے ہیں۔ یہ پرس کسی ایسے ہی شخص کا ہوگا۔

میں اس پرس کو امی کے ہاتھ میں تھمادوں گا۔ مہینہ کا آخری ہفتہ چل رہا ہے۔ پیسوں کی کافی پریشانی ہے۔ گھر کا کرایہ بھی ادا نہیں کیا گیا کیونکہ بجلی کا بل زیادہ آ گیا تھا— امی کی طبیعت بھی تو خراب رہتی ہے۔ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا چیک اَپ کروا کر مکمل علاج نہیں کرواتیں۔ امی کتنی خوش ہوجائیں گی اور ابو کا فکر مند چہرہ بھی کھل جائے گا۔ مجھے یہ پرس انھیں دے ہی دینا چاہیے..... مگر—؟! اچانک اسے یاد آیا۔ جب وہ مڈل اسکول میں پڑھتا تھا، اسے اپنے ایک ساتھی کا کمپاس بکس پیشاب خانے کی دیوار کی منڈیر پر رکھا ہوا ملا تھا۔ اس پر لڑکے کا نام اور پتہ درج تھا، وہ کمپاس بستے میں رکھ کر گھر لے آیا تھا، امی اور ابو کو بتایا..... دونوں نے اسی وقت اسے الٹے پاؤں واپس کیا۔ ''جاؤ، ابھی اسی وقت جس کا کمپاس اسے دے آؤ۔''

—اب یہ روپیوں سے بھرا پرس کیا وہ واپس کروائیں گے؟ روپیوں کی انھیں بہت ضرورت ہے... مہینے کا آخری ہفتہ چل رہا ہے، ایسی صورت میں؟

اس وقت بھی تو مجھے کمپاس کی بے حد ضرورت تھی، مگر انھوں نے.....! یہ تو روپیوں سے بھرا پرس ہے۔ کمپاس نے ان کے ایمان کو قائم رکھا، کیا اس روپیوں سے بھرے پرس کو دیکھ کر ان کا ایمان ڈانواڈول ہوجائے گا..... ہشت، مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے، پرس پر پتہ لکھا ہے، مجھے پرس واپس کردینا چاہیے.....

اگر میں نے پرس اپنے والدین کے حوالے کردیا.....! مجبوری کیا نہیں کرواتی..... خدانہ کرے ان روپیوں میں ان کا ایمان بک گیا تو اس کا ذمے دار کون ہوگا؟! وہ سرتاپا لرز گیا— فوراً بس اسٹاپ کے شیڈ سے نکلا، ایک آٹو رکشہ کو روکا۔ پرس پر لکھا پتہ اسے بتایا ''دس روپے لگیں گے!'' آٹو رکشہ والا بولا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کے پاس دس روپے کے دو نوٹ تھے وہ آٹو رکشہ میں بیٹھ گیا۔

رکشہ سڑک پر دوڑنے لگا..... اور وہ..... اس کا دل اللہ سے مخاطب تھا ''یا اللہ! حمد اور ساری تعریفیں صرف تیرے لیے ہی ہیں، تو نے ہی مجھے شیطان کے شر سے بچایا اور اس کام کی توفیق دی، بے شک تو ہی سب کچھ جاننے والا اور بہترین مددگار ہے..... وہ اللہ سے دعا کر رہا تھا.....

رکشہ تھوڑی ہی دیر بعد ایک عالیشان بلڈنگ کے سامنے رکا۔

''یہ ہے ان کی بلڈنگ!'' رکشہ والا بولا۔

وہ رکشے سے اترا۔ رکشے والے کو دس روپے دیے اور فوراً بلڈنگ کے دروازے کی طرف بڑھا..... دروازے کے کونے میں دائیں طرف کال بیل کا بٹن لگا تھا۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ تھوڑی ہی دیر میں دروازہ کھلا۔

ایک شخص اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دھوتی اور بنیائن پہنے ہوئے۔

''مجھے شرما صاحب سے ملنا ہے۔''

''اندر آجاؤ۔''

وہ شخص کے ساتھ اندر گیا۔ دالان سے ہوتا ہوا ایک کمرے میں پہنچا۔

ایزی چیئر پر ایک شخص پیچھے لٹکائے نیم دراز تھا۔ اس کے چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار تھے۔

''صاحب!'' نوکر نے آواز دی ''یہ لڑکا آپ سے ملنے آیا ہے۔''

شرما صاحب نے اپنا سر ایسے اٹھایا جیسے ایک ڈوبتا ہوا آدمی اپنا سر پانی سے نکالتا ہے۔

''صاحب! یہ آپ کا پرس!''

لڑکے کے ہاتھ میں اپنا پرس دیکھ کر شرما صاحب کرسی سے ایسے اٹھے جیسے کسی نے انھیں گیند کی طرح اچھال دیا ہو۔

''یہ کہاں ملا تمھیں؟!''

''بس اسٹاپ کے بینچ کے نیچے!'' اس نے پرس شرما صاحب کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

پرس لے کر شرما صاحب اس کی طرف عقیدت مند نگاہوں سے دیکھنے لگے.....

''بیٹے! کیا نام ہے تمھارا—؟''

''عابد حسین''

''پتا جی کا؟''

''صادق حسین''

''تمھارے پتا جی کیا کرتے ہیں؟!''

''شہر کی کسی مشہور فرم میں کلرک ہیں۔''

''اچھا—!'' شرما صاحب کی آنکھوں میں ایک نئی چمک پیدا ہوگئی۔

''ارے بیٹا! میں نے تو تمھیں بیٹھنے کا کہا ہی نہیں!''

''نہیں، کوئی بات نہیں، والدین گھر میں میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس لیے مجھے اجازت دیجیے۔''

''ہم تمھیں چھوڑ آتے ہیں.....، چلیے!''

شرما صاحب عابد کو اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔

عابد کے گھر کا دروازہ کھلا تھا، دہلیز پر اس کے والد کھڑے تھے۔

شرما صاحب کو دیکھتے ہی اس کے والد بے اختیار دہلیز سے نکل پڑے۔

''صاحب، آپ!''

''ہاں..... میں، گھبرانے کی بات نہیں بلکہ خوشی کا ایک پیام دینے آیا ہوں۔''

''خوشی کا پیام؟!''

''ہاں—، تمھارا فرزند بہت ایماندار اور نیک ہے، جس طرح تم نے اس کی پرورش کی اسی طرح تم میری فرم کو بھی ترقی دو گے۔ کل سے تم میری فرم کے منیجر ہوگے۔

صادق حسین اپنے بیٹے اور اپنے باس کی طرف دیکھنے لگے..... ''اس نے کیا کیا؟ بولیے تو سہی صاحب!''

''تمھارے فرزند نے وہ کام کیا ہے جو دنیا میں بہت کم لوگ کرتے ہیں..... اس نے میرا انتیس ہزار کے نوٹوں سے بھرا پرس جو بس اسٹاپ پر اسے ملا مجھے گھر لا کر دیا۔

صادق حسین کے چہرے پر گلاب کھل اٹھے۔

اندر کواڑ کی آڑ میں اس کی والدہ کے دل سے شکر گزاری کے کلمات نکلے ''یا اللہ! تو نے میری دعا قبول کر لی!''

(تعارف اکتوبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Mohd. Tarique
Inamdar House
Post: Kholapur
Distt.: Amravati - 444802 (Maharashtra)
Mob.: 8055503366

کہانی

خوش اخلاق

مطیع اللہ نازش

مطیع اللہ نازش کا تعلق کٹک اڈیشا سے ہے۔ راونشا کالجیٹ اسکول کٹک اڈیشا میں ہیڈ مولوی کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ تعلیمی تدریسی اور اردو کتب کی تصنیف و تالیف سے خاص دلچسپی ہے۔ درجہ اول سے لے کر درجہ دہم تک تدوین کتب اردو فارسی اور قواعد کی مجلس ادارت کے رکن بھی ہیں۔ ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں عکس بصیرت، عکس تہذیب، اڈیشا میں اردو نثر نگاری، عکس معاشرہ اور کشکول اردو ادب قابل ذکر ہیں۔ ان کی ایک کتاب 'عکس بصیرت' بی اے آنرس اردو اتکل یونیورسٹی کے نصاب اور اسٹیٹ بورڈ آف مدرسہ ایجوکیشن گورنمنٹ آف اڈیشا کے فاضل اردو کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ انھوں نے اڑیا سے اردو میں ترجمے بھی کیے ہیں۔ اردو تعلیم و تعلّم کے لیے انھیں کئی اعزازات بھی مل چکے ہیں۔

ایک چھوٹا سا گاؤں مدن پور کہ جس میں رامو نام کا ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کے دل میں پڑھائی کرنے کی بڑی خواہش تھی مگر اس گاؤں میں پڑھائی کا بندوبست نہ تھا۔ وہ بڑا نرم دل، ہمدرد لڑکا تھا۔ کسی کو دکھ تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ بڑا ہی غریب لڑکا تھا۔ وہ ہر دن جنگل میں لکڑی کاٹنے کے لیے جایا کرتا تھا۔ لکڑیاں بازار میں بیچ کر اپنا گزر بسر کرتا تھا۔ ایک روز کا اتفاق ہے کہ زبردست طوفان آیا۔ تیز ہوا کے جھونکے سے اس کی پھوس کی کٹیا اڑ گئی۔ ساز و سامان سب کچھ برباد ہو گیا، اس کے پاس بس تھوڑا چنا ہی بچا تھا۔

سر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں تھی، گاؤں میں ادھر ادھر بے سہارا مارا مارا پھرتا رہا۔ لاچار و مجبور ایک درخت کے سایے تلے سونے لگا۔ ایک دن گرمی تیز تھی، وہ دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایے میں سویا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا ایک چڑیا اور اس کے دو ننھے ننھے بچے بھوک کی شدت سے زار و قطار رو

رہے ہیں۔ یہ ان چڑیوں کی بھوک و تکلیف کو دیکھ کر برداشت نہ کرسکا۔ اپنے پاس جو 'چنا' تھا وہ لاکر ان بچوں کو دیا۔ اسی دوران ان بچوں کی ماں چڑیا آپہنچی۔ دیکھا کہ ایک لڑکا اس کے بچوں کو کچھ کھلا رہا ہے اور تسلی دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر چڑیا بہت خوش ہوئی۔ اس نے اس لڑکے سے کہا:

"تم نے آج میرے بچوں کو بچایا ہے، کہو تم کو کیا درکار ہے۔"

اس بچے نے اپنی دکھ بھری کہانی چڑیا کو سنائی۔ چڑیا نے ایک پھول لاکر اس کو دیا اور کہا "تم اس پھول کو پکڑ کر جس چیز کا نام تین بار لوگے وہ چیز تم کو مل جائے گی لیکن یہ پھول اگر کھوگیا تو دوبارہ تم کو نہیں ملے گا۔"

رامو نے اس پھول کو بڑی حفاظت سے رکھا اور حسب ضرورت اس پھول سے کہتا رہا۔ اس کے ذریعے خوب دھن دولت حاصل کیا۔ اس کے بعد اس نے ایک کوٹھا گھر بھی تیار کیا۔ وہ ایک دن بڑا فکرمند تھا، رات بستر پر لیٹے لیٹے سوچنے لگا کہ یوں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں، کچھ تو کام دھندا کرنا چاہیے۔ آخر اس پھول کے سہارے کب تک یوں بیکار بیٹھا رہوں گا۔ ویسے بھی اس کو بیکار بیٹھ کر مفت کی روٹی توڑنا پسند نہ تھا۔ چنانچہ گھر کے پاس ایک زمین خریدی اور کاشت کاری کرنے لگا اور وقتاً فوقتاً پھول سے کہہ کر من پسند عمدہ عمدہ چیزیں حاصل کرکے کھالیا کرتا تھا۔ گاؤں کی پورب کی طرف ندی بہہ رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا اور چاروں طرف ہریالی اور بڑے بڑے پیڑ تھے۔ گاؤں کا منظر بڑا ہی سندر اور دل کش تھا۔ صحت مند آب و ہوا اور خوش حالی کے سبب وہ بچہ اب جوان ہوگیا تھا اور مالدار بھی۔ اس نے گاؤں میں ایک اسکول قائم کیا۔ تعلیمی سلسلہ بھی شروع کردیا۔ اسی طرح اس نے ایک اناتھ آشرم بھی قائم کیا۔ اس کو اپنی ماضی کی دکھ بھری مفلسی اور غربت کی زندگی کا احساس تھا۔ اس لڑکے میں ذرا بھی غرور نہ تھا۔ بے سہارا اور غربت کے شکار لوگوں کی خوب مدد کرتا تھا۔

رفتہ رفتہ اس علاقے میں وہ اپنی خوش اخلاقی اور ہمدردانہ برتاؤ کے سبب بہت مقبول اور مشہور ہوگیا۔ ماضی ہمارے مستقبل کا آئینہ ہوتا ہے ہمیں اپنے ماضی کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے۔" میں کل کیا تھا، آج کیا ہوں اور کس نے میری پچھلی زندگی کو بدلا اپنے مالک کو یاد رکھنا چاہیے اور اس کا شکر بجالانا چاہیے، کیونکہ صبر وشکر اللہ کو بے حد پسند ہے۔

کر بھلا ہوگا بھلا

■

Matiullah Nazish
D-203, Sector-6, CDA
Cuttack- 75753014 (Odisha)
Mob.: 7978347075

منظور وقار

ذہین ملکہ

وقار الدولہ ریاست آفاق گڑھ کا بادشاہ تھا۔ بادشاہ کی بیوی ملکہ عالم آرا بے حد خوبصورت اور ذہین عورت تھی لیکن بدقسمتی سے شادی کے بیس برس بعد بھی ملکہ عالم آرا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بادشاہ کو ملکہ سے بہت محبت تھی۔ رشتے داروں اور وزیروں کے اکسانے پر بھی بادشاہ نے دوسری شادی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وقار الدولہ یوں تو ایک بڑی ریاست کا بادشاہ تھا۔ اس کے باوجود اس کے مزاج میں شاہانہ شان و دبدبے کے بجائے سادگی، انکساری اور پرہیزگاری تھی جب بھی حکومت کے کاموں سے فرصت ملتی وہ عبادت اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہا کرتا تھا۔

حکومت کے کام کاج، رقم کا خرچ، سرکاری خزانے کے حساب کتاب کی ساری ذمے داری بادشاہ نے اپنے وزیر خاص خرم مراد پر چھوڑ دی تھی کیونکہ خرم مراد کی ایمانداری، وفاداری اور فرماں برداری سے بادشاہ بے حد خوش تھا۔ خرم مراد بادشاہ اور ملکہ عالم آرا کے سامنے خود کو بڑا ایماندار، وفادار اور فرماں بردار ثابت کرنے کی کوشش کرتا مگر دل ہی دل میں بادشاہ کا تخت پلٹ کر حکومت اور تخت پر قبضہ جمانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

خرم مراد اس ٹوہ میں بھی لگا رہتا تھا کہ اگر بادشاہ جنگ میں دشمن فوج کے ہاتھوں ہلاک ہوتا ہے یا اچانک قدرتی موت مرتا ہے تو وہ ملکہ کے بجائے خود کو بادشاہ کا صحیح جانشین بتا کر حکومت اور تخت پر قبضہ جما لے گا۔ بادشاہ وقار الدولہ کا معمول تھا کہ وہ ہر سال ایک ماہ کے لیے شہر سے پچاس کوس دور ایک گھنے جنگل میں موجود ہوا محل میں چھٹیاں گزارا کرتا تھا، چھتری نما ہوا محل کے اطراف دیواریں تھیں اور نہ کھڑکیاں۔ چنانچہ ہوا محل میں ہر وقت چاروں طرف سے ہوا کی لہریں چلا کرتی تھیں۔

بادشاہ ہوا محل میں اپنے ساتھ صرف اپنے وزیر خاص خرم مراد ہی کو رکھتا تھا کسی تیسرے شخص کو ان کے ساتھ رہنے کی اجازت نہیں تھی بادشاہ اور خرم مراد کو ہوا محل میں آئے ہوئے کوئی پندرہ دن ہوئے تھے کہ ایک دن خرم مراد نے بادشاہ سے کہا:

بادشاہ سلامت آپ اپنی عبادتوں اور تلاوت قرآن مجید سے تھوڑا وقت نکالیے ہم دونوں پہاڑ پر چڑھ کر پہاڑ پر موجود بابا بھولے شاہ ملنگ کی زیارت کریں گے۔ ساتھ ہی بابا بھولے شاہ جھرنے کا نظارہ بھی کریں گے بادشاہ پہلے تو انکار کرتا رہا جب خرم مراد بار بار درخواست کرنے لگا تو بادشاہ پہاڑ پر جانے کے لیے تیار ہو گیا بادشاہ اور خرم مراد پہاڑ پر چڑھنے لگے کوئی پچاس فٹ کی بلندی پر پہنچ پائے تھے کہ اچانک خرم مراد بادشاہ کو پہاڑ پر سے نیچے دھکیل دیا۔

بادشاہ پہاڑی ڈھلان پر پلٹیاں کھاتا ہوا زمین پر گر گیا، خرم مراد کے چہرے پر مسکراہٹ تھی وہ پہاڑ سے نیچے اُتر کر بادشاہ کو دیکھا تو اُس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی کیونکہ بادشاہ کے جسم پر جگہ جگہ زخم آئے تھے۔ خون رس رہا تھا، ریڑھ کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تھی مگر بادشاہ نہ صرف زندہ تھا گفتگو بھی کرنے کے قابل تھا۔ بادشاہ خرم کے چہرے پر حقارت کی نظر ڈال کر بولا خرم۔ اگر تجھے حکومت اور اقتدار کی خواہش تھی تو مجھ سے کہہ دیا ہوتا میں بخوشی حکومت کی باگ ڈور تیرے ہاتھ ہیں دے دیتا۔

میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کرنے کی کیا ضرورت تھی تجھے تیری غداری کی سزا ضرور ملے گی۔خرم مراد بادشاہ کی باتوں کو نظرانداز کر کے بادشاہ کو کندھے پر اُٹھا کر کالی مٹی کے کھیت میں لے آیا خرم مراد کے ذہن میں ایک شیطانی منصوبہ جنم لے چکا تھا وہ ایک نوک دار لکڑی سے زمین کو کھرچ کھرچ کر گڑھا بنانے لگا جب چھ فٹ گہرا گڑھا بنا چکا تو بادشاہ کو گڑھے میں لیٹا کر اس پر مٹی ڈالنے لگا اس دوران بادشاہ خرم مراد سے مخاطب ہو کر کہنے لگا خرم ملکہ عالم آرا اتنی ذہین عورت ہے کہ مجھے زندہ دفنانے کے جرم میں تجھے پھانسی پر لٹکا کر ہی رہے گی۔

خرم مراد ایک زور دار قہقہہ لگا کر بولا ''بادشاہ سلامت اس جنگل میں ہم دونوں کے علاوہ کسی انسان کا سایہ تک نہیں ہے۔ میں نے آپ کو زندہ دفنایا ہے اس کا ثبوت ملکہ کہاں سے لے آئے گی'' جب گڑھا کالی مٹی سے پوری طرح بھر گیا تو خرم مراد نے شہر آ کر ملکہ اور درباریوں کے سامنے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ میں اور بادشاہ سلامت پہاڑ پر چڑھ رہے تھے کہ اچانک بادشاہ کا پیر پھسل گیا اور زمین پر گرتے ہی فوت ہو گئے بادشاہ کی نعش کو جانور کھا نہ جائیں اس ڈر سے میں نعش کو گڑھے میں دفنا کر آ گیا ہوں۔ اس خبر کو سُن کر ملکہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔محل میں موجود درباریوں کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ملکہ عالم آرا خود پر قابو پا کر وزیر داخلہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ جنگل جا کر بادشاہ کی نعش لا کر اس کے سامنے پیش کریں جب بادشاہ کی نعش ملکہ کے سامنے لائی گئی تو ملکہ نے انسانی نعشوں کو چیر پھاڑ کے ماہر جراح کو طلب کیا اور حکم دیا کہ بادشاہ کی نعش سینے سے پیٹ تک چاک کر دی جائے جب بادشاہ کی نعش چاک کر دی گئی تو ملکہ نے دیکھا کہ بادشاہ کے پیٹ اور انتڑیوں میں کالی مٹی موجود ہے ملکہ نے محل میں موجود سپاہیوں کو حکم دیا کہ بادشاہ کو زندہ دفنانے کے جرم میں خرم مراد کو فوراً حراست میں لیا جائے ملکہ کے حکم پر سپاہیوں نے فوراً خرم مراد کو حراست میں لے لیا۔ ادھر دربار میں موجود درباری اور شاہی خاندان کے افراد حیران تھے کہ ملکہ کو وہ کون سا ثبوت ہاتھ لگا کہ خرم مراد نے بادشاہ کو زندہ دفنایا ہے۔ملکہ محل میں موجود لوگوں کی حیرانی کو دور کرتے ہوئے بولی جس وقت خرم مراد بادشاہ سلامت کو گڑھے میں لیٹا کر مٹی ڈال رہا تھا۔اس وقت بادشاہ سلامت نہ صرف زندہ تھے باتیں بھی کر رہے تھے باتیں کرتے کرتے مٹی بھی نگل رہے تھے اس کا ثبوت بادشاہ کے پیٹ اور انتڑیوں میں موجود کالی مٹی ہے مردہ انسان مٹی تھوڑے ہی نگل سکتا ہے ملکہ کی اس دلیل کو سن کر محل میں بہت خوب بہت خوب آفرین آفرین کے نعرے بلند ہوئے دوسرے دن خرم مراد کو بادشاہ وقار الدولہ کے قتل کے جرم میں سرِ عام پھانسی پر لٹکا یا گیا۔ ریاست آفاق گڑھ اور اطراف و اکناف کی ریاستوں میں ملکہ عالم آرا کی ذہانت اور قابلیت کے چرچے ہونے لگے۔ ریاست کی عوام کی خواہش کے مطابق ملکہ عالم آرا کے سر پر حکومت کا تاج رکھ دیا گیا ملکہ عالم آرا تخت پر فائز ہونے کے بعد عوام کی فلاح و بہبود اور ریاست آفاق گڑھ کی ترقی کے کاموں میں مشغول ہو گئی۔

بچو! اس کہانی کو پڑھنے کے بعد آپ کو پتہ چل گیا ہوگا کہ کوئی بھی انسان کتنا ہی چالاک اور بدمعاش کیوں نہ ہو جرم کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے تو جرم چھپتا نہیں سامنے آ ہی جاتا ہے۔اور اسے اس کے جرم کی سزا مل ہی جاتی ہے۔!!!!

(تعارف ستمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Manzoor Viqar
Yadulla Colony
Gulbarga-585 104 (Karnataka)
Cell : 9731428416

مصنف: لائم او فلاہرٹی

سیاہ ہوائی جہاز

عظیم اقبال

سیاہ ہوائی جہاز

چاند مشرق سے اوپر اٹھ رہا تھا، آسمان میں ستارے چمک رہے تھے۔ میں بہت خوش تھا۔ اپنے پرانے، 'ڈکوٹا' ہوائی جہاز پر فرانس کے اوپر انگلینڈ واپسی پر پرواز کر رہا تھا۔ میں اپنی چھٹی کے متعلق خواب بن رہا تھا اور جلد ہی اپنے گھر جانا چاہتا تھا۔

میں نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ صبح کے ڈیڑھ بجے تھے۔

"جلدی مجھے پیرس کنٹرول سے رابطہ کرنا چاہیے۔" میں نے سوچا۔ جونہی میں نے ہوائی جہاز کے سامنے سے نیچے کی جانب نگاہ ڈالی، اپنے سامنے مجھے ایک بڑے شہر کی روشنیاں نظر آئیں۔ میں نے ریڈیو چلایا اور پھر بولا— "پیرس کنٹرول، یہ ڈکوٹا ڈی، ایس 088 ہے۔ کیا آپ مجھے سن سکتے ہیں؟ میں انگلینڈ کی راہ پر ہوں۔ اوور"

ریڈیو سے آنے والی آواز نے فوراً جواب دیا "ڈی، ایس 088 میں تمھاری بات سن سکتا ہوں۔ تمھیں مغرب کی سمت 12 ڈگری پر مڑنا چاہیے۔ ڈی، ایس 088، اوور"

میں نے نقشے اور کمپاس کا جائزہ لیا۔ پھر اپنے دوسرے اور آخری ایندھن کے ٹینک کو چلا دیا، اور ڈکوٹا کو 12 ڈگری مغرب انگلینڈ کی جانب موڑ دیا۔

"میں ناشتے کے وقت پہنچ جاؤں گا۔"

مجھے خیال آیا۔ شاندار انگریزی ناشتہ! سب کچھ بخیر وخوب گزر رہا تھا۔ یہ ایک سہل پرواز تھی۔

پیرس میرے عقب میں 150 کلومیٹر پر تھا۔ تبھی میری نظر بادلوں پر پڑی۔ 'طوفانی بادل' وہ بہت بڑے تھے۔ وہ آسمان کے آر پار میرے سامنے سیاہ پہاڑوں کی طرح کھڑے تھے۔ مجھے پتہ تھا کہ آگے ان کے اوپر سے پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ پھر میرے پاس اتنا ایندھن بھی نہیں تھا کہ ان کا چکر کاٹ کر شمال یا جنوب کی جانب پرواز کر جاؤں۔

"مجھے پیرس لوٹ جانا چاہیے۔"

میں نے سوچا، لیکن میں گھر پہنچنا چاہتا تھا، مجھے اس

ناشتے کی حاجت تھی ''میں خطرہ مول لوں گا'' میں نے سوچا اور رات اس طوفان کے درمیان ڈکوٹا کو اڑا لے گیا۔

بادلوں کے اندر سب کچھ سیاہ ہوگیا۔ جہاز سے باہر کسی چیز کو دیکھنا ناممکن تھا۔ پرانا ہوائی جہاز اچھلا اور ہوا میں اینٹھ گیا۔ میں نے کمپاس پر نظر ڈالی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ کمپاس صرف گولائی میں گھوم رہا تھا۔ یہ ناکارہ ہوچکا تھا۔ یہ کارگر نہ تھا۔ دوسرے آلات بھی اچانک بیکار ہوچکے تھے۔ میں نے ریڈیو چلانا چاہا۔

''پیرس کنٹرول؟ پیرس کنٹرول؟ کیا آپ مجھے سن سکتے ہیں؟''

کوئی جواب نہ ملا۔ ریڈیو بھی ناکارہ ہوچکا تھا۔ میرے پاس ریڈیو نہ تھا، کمپاس نہ تھا، میں دیکھ نہیں سکتا تھا کہ کہاں ہوں۔ میں طوفان میں گم ہوچکا تھا۔ تب سیاہ بادلوں کے درمیان اپنے قریب، میں نے ایک دوسرے ہوائی جہاز کو دیکھا۔ اس کے بازوؤں پر روشنیاں نہ تھیں، لیکن اسے اپنے بغل میں طوفان کے درمیان سے پرواز کرتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ میں نے پائلٹ کے چہرے کو اپنی طرف مڑتے ہوئے پایا۔ ایک دوسرے شخص کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ اٹھا کر لہرایا۔

''میرے پیچھے آؤ۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''میرے پیچھے آؤ۔''

''اسے خبر ہے کہ میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔'' میں نے سوچا ''وہ میری مدد کی کوشش کررہا ہے۔''

اس نے جہاز آہستگی سے میرے ڈکوٹا کے سامنے شمال کی جانب موڑ دیا، تاکہ میرے لیے اس کی پیروی کرنا آسان ہوجائے۔ اس نامانوس ہوائی جہاز کے پیچھے ایک فرمانبردار بچے کی طرح چل کر بہت خوش تھا۔

نصف گھنٹے کے بعد بھی انوکھا ہوائی جہاز بادلوں کے درمیان میرے روبرو تھا۔ اب اس پرانے ڈکوٹا کی مزید پرواز ایندھن کے مدنظر 5 یا 10 منٹ تک ہوسکتی تھی۔ میں پھر خوفزدہ ہوگیا، لیکن اب وہ نیچے اترنے لگا اور میں نے طوفان سے گزر کر اس کی پیروی کی۔

اچانک میں بادلوں سے باہر آگیا اور سامنے روشنیوں کی دو راست لکیریں دکھائی پڑیں۔ یہ رَن وے تھا! ایک ایئرپورٹ! میں محفوظ تھا۔ میں مڑا تاکہ اپنے دوست کو سیاہ ہوائی جہاز میں دیکھوں، لیکن آسمان خالی تھا۔ وہاں کچھ نہ تھا۔ سیاہ ہوائی جہاز جاچکا تھا۔ اسے میں کہیں نہ دیکھ سکا۔

میں نے جہاز اتار دیا۔

کنٹرول ٹاور کے قریب سے ڈکوٹا سے اتر کر گزرنے پر میں متاسف نہ تھا۔ کنٹرول سینٹر پر گیا اور وہاں موجود ایک خاتون سے دریافت کیا۔ میں کہاں تھا اور دوسرا پائلٹ کون تھا۔ میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔

بہت انوکھے پن سے اس نے میری طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔

''دوسرا ہوائی جہاز، اس طوفان کے درمیان؟ آج رات کوئی ہوائی جہاز اڑان پر نہ تھا۔ تمھارا جہاز تنہا تھا، میں نے اسے رڈار پر دیکھا تھا۔''

تو پھر کس نے مجھے یہاں بہ حفاظت، بنا کمپاس، بنا ریڈیو اور ٹنکی میں ایندھن کے بنا آنے میں میری مدد کی؟ سیاہ ہوائی میں کون تھا وہ پائلٹ، جو روشنی کے بغیر طوفان میں اڑ رہا تھا؟

(انگریزی سے)

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj No: One
Bettiah - 845438
Mob.: 9006502649

پیٹ کی آگ

ابرار احمد

چوراہا بھیڑ سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ لوگ ایک دائرے میں کھڑے تھے۔ جمال اسکول سے گھر لوٹ رہا تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی شاداب کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ بھیڑ دیکھ کر شاداب نے پوچھا، ''بھائی! وہاں چوراہے پر کیا ہو رہا ہے؟ دیکھو! وہاں کتنے لوگ جمع ہیں۔'' جمال نے جواب دیا، ''اتنی دور سے کیا معلوم ہوگا وہیں چل کر دیکھتے ہیں۔'' جمال تیز قدموں سے چوراہے کی جانب چلنے لگا۔ وہ دونوں بھیڑ کو چیرتے ہوئے دائرے کی پہلی قطار میں آ گئے۔ جمال نے پاس کھڑے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا، ''یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

اس آدمی نے آہستہ سے جواب دیا، ''تماشے والا ہے۔ تماشا دکھا رہا ہے۔ کہتا ہے کہ آگ کھائے گا۔ دیکھتے رہو۔'' تماشے والے کے ہاتھ میں ڈمرو تھا۔ اس نے اسے زور سے ہوا میں گھومایا۔ پھر تیز تیز بولنے لگا، مہربان، قدردان، صاحبان! اگر پیٹ نہ ہوتا تو ہماری اور آپ کی ملاقات نہ ہوتی۔ پیٹ کی آگ کو بجھانے کی خاطر آج میں آپ لوگوں کے سامنے آگ کھا کر دکھاؤں گا۔ کوئی بھی ایک قدم پیچھے نہیں ہٹے گا اور نہ ہی آگے بڑھے گا۔ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اب میں آگ کھانے جا رہا ہوں۔'' اس کی آنکھیں آگ کی روشنی میں سرخ اور چہرہ عجیب سا دکھائی دینے لگا تھا۔

تماشے والے نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ پھر وہ ایک ایک کر کے آگ کے گولوں کو منہ میں ڈالنے لگا۔ کہیں سے تالی بجی۔ پھر سبھی لوگ تالیاں بجانے لگے۔ کوئی بولا، واہ! یہ تو بہت ہی خطرناک کام ہے۔ جان جوکھم میں ڈال کر ایسا کرنا ہمت کی بات ہے۔ میری طرف سے سو روپے انعام۔'' تھوڑی دیر بعد تماشے والا کٹورا لے کر لوگوں کے پاس جانے لگا۔ وہ کٹورے میں کچھ سکے اچھال اچھال کر کھنک پیدا کر رہا تھا۔ شاداب نے جمال سے پوچھا، ''بھائی! یہ کٹورا لے کر ہم لوگوں کے پاس کیوں آ رہا ہے؟''

جمال نے جواب دیا، ''اس نے آگ کے گولے کھا لیے ہیں۔ اب یہ ہم سب سے روپے مانگے گا۔'' کوئی چلایا، ''اسے تو انعام ملنا چاہیے۔'' جمال بلند آواز سے بولا، ''ہاں! لیکن عزت کے ساتھ انعام ملے تو کیسا رہے گا؟'' تماشے والا جھینپ گیا۔ وہ جمال کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور دھیرے سے بولا، ''عزت کے ساتھ؟ کیا مطلب ہے تیرا؟'' جمال نے جواب دیا، ''مطلب یہ کہ ہمارے یہاں اکثر آگ لگ جاتی ہے۔ آس پاس کے جنگل جل جاتے ہیں۔'' تماشے والا اپنا سامان ایک ایک کر کے تھیلے میں رکھ رہا تھا اور جمال بولے جا رہا تھا، ''جنگل میں رہنے والے معصوم جانور بھی جل کر خاک ہو جاتے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمیشہ کے لیے ہمارے مہمان بن جائیں۔ جب بھی کبھی یہاں آگ لگے گی تو آپ آگ پر قابو پا لیں گے۔ آپ آگ جو کھاتے ہیں۔'' شاداب نے کہا، ہاں بھائی! کچھ دن پہلے حامد چچا کی دوکان بھی تو جل گئی تھی۔ اگر یہ تماشے والے انکل یہاں ہوتے تو چاچو کی دوکان جلنے سے بچ

سکتی تھی۔''

یہ سن کر تماشے والا لوگوں کے چہرے دیکھنے لگا۔ ایک عورت بولی، ''یہ لڑکا ٹھیک کہتا ہے۔ پچھلے سال تو میری گائے بھی جنگل کی آگ میں جل گئی تھی۔'' تماشے والا گھبرا گیا۔ وہ اپنی پوٹلی اٹھا کر جانے لگا۔ شاداب نے کہا بھائی! یہ تماشے والے انکل تو جارہے ہیں۔'' شاداب چلایا، ارے! جانے سے پہلے یہ تو بتادو کہ آپ آگ کیسے کھا لیتے ہیں؟'' تماشے والا گڑگڑانے لگا۔ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا،''یہ میری روزی روٹی ہے۔ پیٹ کی آگ کو بجھانے کی خاطر مجھے آگ کے گولے کھانے پڑ رہے ہیں۔ آپ سبھی میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں۔''

جمال نے بیچ میں ہی ٹوکا،''پوری بات بتاؤ۔'' تماشے والا بولا،'' صحیح بات تو یہ ہے کہ آگ کو کھایا نہیں جاسکتا ہے۔ میں تو یہ کرتب بہت ریاضت کے بعد سیکھ پایا ہوں۔ اسے کرنا آسان نہیں ہے۔ میں تو کچھ روپے کمانے کے لیے اسے چمتکار بتاتا ہوں۔ اب میں چلتا ہوں۔'' تماشے والا گھبراہٹ میں اپنا جھولا ہی چھوڑ کر جانے لگا۔ بھیڑ نے اس کا راستہ روک لیا۔ شاداب نے پوچھا،''بھائی یہ کرتب کیسے ہوتا ہے؟''

جمال نے زور دے کر تماشے والے سے کہا،'' آپ سب کو بتاؤ کہ یہ کیسے کیا جاتا ہے۔'' تماشے والا بولا،''ٹھیک ہے بتاتا ہوں۔ میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ مجھ پر رحم کرنا۔ یہ دیکھیے! میں آگ کے گولے کے لیے کپور کے ٹکڑوں کا استعمال کرتا ہوں۔ کپور بہت جلد آگ پکڑتا ہے۔ اس کی لپٹیں بھی بڑی بڑی اٹھتی ہیں،لیکن میں بہت پھرتی سے کپور کو ایک ہتھیلی سے دوسری ہتھیلی میں بدلتا رہتا ہوں اور جیسے ہی کپور پورا جلنے لگتا ہے تو میں ایک ایک کر کے ان ٹکڑوں کو منہ میں رکھ لیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر تماشے والا چپ ہوگیا۔ جمال آگے بڑھ کر دائرے کے اندر چلا گیا۔ پھر بلند آواز میں بولا،''یہ کھیل سائنس کے کن اصولوں سے ہوتا ہے، یہ بھی تو بتاؤ۔'' تماشے والے نے جواب دیا،''بیٹا! میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ اگر پڑھا ہوتا تو یہ کام کرنے پر مجبور نہ ہوتا۔ کپور کے بارے میں جانتا ہوں۔ باقی مجھے کچھ بھی نہیں معلوم۔'' جمال نے لوگوں کو سمجھاتے ہوئے کہا،'' کپور ایک کاربونک مادہ ہے۔ جو گرم ہوتے ہی گیس میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ کپور کو جلنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت پڑتی ہے۔ چوکور شکل کے کپور پر ایک طرف ہی آگ لگتی ہے۔ جیسے ہی آگ دوسری جانب پھیلتی ہے تو تماشے والا اسے اپنی دوسری ہتھیلی میں رکھ لیتا ہے۔'' سب حیران ہوکر جمال کی باتیں سن رہے تھے۔

جمال نے تفصیل سے بتایا،''جب آگ کپور کے چاروں جانب پھیلنے لگتی ہے تو تماشے والا اسے اپنے منہ میں رکھ لیتا ہے۔ منہ کو بند کردینے سے کپور کو آکسیجن نہیں ملتی اور کپور بجھ جاتا ہے۔ منہ کے اندر کی تھوک اور کاربن ڈائی آکسائیڈ بھی کپور کو بجھانے میں مدد کرتی ہے۔'' بھیڑ میں سے کسی نے کہا، ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں بھی اس کھیل کو کرسکتا ہوں؟''

ایک بزرگ نے اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کہا،''نہ بیٹا نہ۔ یہ نہ کرنا۔'' جمال نے کہا ایسے کرتب میں جوکھم بہت ہوتا ہے۔ تھوڑی سی غفلت بھی جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔ غلطی تو ہماری ہے کہ ہم ایسے تماشے والوں کے بہکاوے میں آجاتے ہیں اور اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر ان کے تماشوں کو دیکھتے ہیں۔'' یہ سن کر تماشے والے کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔ بھیڑ چھٹنے لگی تو تماشے والا بھی چپ چاپ جانے لگا۔ شاداب نے جمال سے پوچھا،''بھائی! تماشے والا اب کیا کرے گا؟ وہ کہہ

رہا تھا کہ اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

جمال نے جواب دیا، "پہلی بات تو یہ ہے کہ جادو یا چمتکار کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ یہ سب فن ہیں جن میں سائنس کا کوئی نا کوئی اصول چھپا ہوتا ہے۔ تماشے والا کوئی بھی کام کرسکتا ہے۔ بہلا پھسلا کر ٹھگی کرنا کوئی اچھا کام نہیں۔ اب جلدی سے گھر چل۔ دیر ہوگئی ہے۔" شاداب بھائی کے قدموں سے قدم ملا کر چلنے لگا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی تماشے والے کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس کے کانوں میں تماشے والے کے الفاظ گونج رہے تھے، "میں پڑھا لکھا نہیں ہوں صاحب! اس لیے پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر آگ کے گولے کھانے پر مجبور ہوں۔" شاداب نے معصومانہ انداز میں پوچھا، "بھائی! پیٹ کی آگ کا کیا مطلب ہے۔ کیا اس کے پیٹ میں آگ لگی تھی۔" جمال نے ہنستے ہوئے جواب دیا،

"ارے بدھو! پیٹ کی آگ سے مراد بھوک ہے۔ بھوک کو مٹانے کے لیے کھانے کی ضرورت پڑتی ہے اور کھانا حاصل کرنے کے لیے پیسے کی۔ اگر تماشے والا پڑھا لکھا ہوتا تو وہ کوئی اچھی نوکری کرتا، ڈاکٹر، انجینئر یا ٹیچر ہوتا اور عزت کی روٹی کماتا۔ پیسے کے لیے اسے یوں در بہ در بھٹکنا نہ پڑتا اور نہ ہی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر رسوا ہونا پڑتا۔" شاداب نے کہا، "اچھا بھائی! اسی لیے امی ابو ہماری تعلیم پر اتنا زور دیتے ہیں۔ میں پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنوں گا اور لوگوں کی خدمت کروں گا۔ بچو! تم کیا بنو گے تماشے والا یا کچھ اور...؟"

■

Dr. Abrar Ahmad
Assistant Professor, Department of Urdu
Poona College of Arts, Science & Commerce
Camp, Pune- 411001 (Maharashtra)
Mob.: 8554008637

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ / منی آرڈر........................ ....تاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زیر تعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: CNRB0019009، A/C: 90092010045326

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159

دستخط

نیلوفر سعدیہ

حسد کا انجام

فرقان اپنے اسٹڈی ٹیبل پر پڑھائی کرنے میں مصروف تھا۔ اسی وقت رابعہ اپنے کالج سے آئی اور بے حد خوشی سے اپنا بیگ کرسی پر رکھ کر مسکراتے ہوئے فرقان کو دیکھا، فرقان اسے اتنا خوش دیکھ کر بولا۔ ”کیا ہوا آپی آپ اتنی خوش کیسے؟ کوئی بات ہوئی کیا کالج میں؟“ رابعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”میرے ششماہی امتحان کا رزلٹ آ گیا۔“ وہ بے حد خوشی سے بولی تو فرقان بھی بہت خوش ہوا اور کہا، ”آپ کے چہرے کو دیکھ کر لگ رہا ہے کہ بہت اچھے مارکس آئے ہیں آپ کے۔“ وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔ ”پارسا آپی کے مارکس بھی بہت اچھے آئے ہوں گے نا؟“ یہ سنتے ہی رابعہ طنز سے مسکرا کر بولی اس بار بازی میں نے مار لی ہے فرقان میں پارسا سے زائد مارکس لائی ہوں۔“ وہ بول کر رکی نہیں اپنی امی کو بتانے چلی گئی۔ البتہ فرقان نے رابعہ کے اندر پارسا کے لیے حسد کو صاف محسوس کیا تھا۔ ایک آٹھویں جماعت کا لڑکا اٹھارہ سال کی رابعہ سے زیادہ سمجھدار تھا۔ رابعہ اور پارسا آپس میں خالہ زاد بہنیں تھیں دونوں ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھیں۔ فرقان رابعہ کا چھوٹا بھائی تھا۔ پارسا اپنی بہن رابعہ کو بہت چاہتی تھی مگر رابعہ اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہ نہ جانے کیوں اپنے دل میں پارسا کے لیے حسد رکھتی تھی۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ پارسا ہمیشہ ہر امتحان میں اس سے زائد مارکس لے کر آتی تھی۔ اس بار رابعہ نے بہت تیاری کی اور پارسا سے زائد مارکس لے کر آئی۔ البتہ پارسا کو اس بات سے بے حد خوشی ہوئی شام کے وقت رابعہ کے ابو گھر آئے تو رابعہ نے اپنے بہترین مارکس لانے کی بات اپنے ابو سے کہی، وہ بہت خوش ہوئے اور رابعہ کو شاباشی دی اور کہا، ”بہت اچھے بیٹا اسی طرح محنت اور لگن سے پڑھو گی تو ان شاء اللہ تمھارا مستقبل نہایت روشن ہوگا،“ رابعہ خوشی سے پھولے نہ سمائی۔ ”اچھا بیٹا پارسا کے کتنے مارکس آئے؟ رابعہ کے ابو نے پوچھا تو رابعہ ناز سے بولی، ”ابو اس بار پارسا مجھ سے پیچھے رہ گئی ہے۔ میں اس سے زائد مارکس لائی ہوں“ رابعہ کے ابو

اس کی اس بات پر پیار سے بولے ”دیکھو بیٹا وہ تمہاری بہن ہے اور زیادہ مارکس لانے کا غرور کرنا بری بات ہے پارسا ہمیشہ تم سے زیادہ مارکس لاتی تھی مگر اس نے کبھی ایسا نہیں کیا کسی کو نیچا دکھانا اور خود کو بلند ثابت کرنا گھمنڈ کہلاتا ہے۔ سمجھی بیٹا، آئندہ سے دھیان رکھنا۔“ رابعہ سکتے میں تھی، البتہ اس نے اپنے ابو کی بات نہیں مانی بلکہ اب وہ پارسا سے خفا ہوگئی کہ وہ اب بھی سب کی نظر میں اس سے بہتر ہے۔ اگلے روز پارسا رابعہ کی کامیابی پر اس کے لیے تحفہ لائی تھی۔ ”امی دیکھیے پارسا آپی آئیں ہیں۔“

فرقان نے خوشی سے کہا تو فرقان کی امی اور رابعہ نے چونک کر پارسا کو دیکھا۔ پارسا نے سب کو مسکرا کر دیکھا اور کہا۔ ”السلام علیکم“ سب اسے دیکھ کر خوش ہوگئے اور سلام کا جواب دیا۔ مگر رابعہ اسے وہاں دیکھ کر خوش نہیں تھی۔ رابعہ کی امی اور فرقان پارسا سے باتیں کرنے لگے اور کچھ دیر بعد رابعہ کی امی کسی کام سے کچن میں چلی گئیں۔ رابعہ اٹھ کر وہاں سے جا ہی رہی تھی کہ پارسا نے اسے روک کر کہا، ”کیا بات ہے رابعہ تم کہاں جا رہی ہو؟ مجھ سے بات بھی نہیں کی۔“ پارسا نے رابعہ کے اکھڑے اکھڑے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا، فرقان بھی پریشان سا رابعہ کو دیکھنے لگا۔ رابعہ نے پارسا کو کوئی جواب نہیں دیا، پارسا نے اس کے لیے لایا ہوا گفٹ اسے دکھا کر کہا۔ ”یہ تحفہ میں تمھارے لیے لائی ہوں رابعہ۔“ وہ مسکرا کر بولی مگر رابعہ نے ایک حرف تک نہیں کہا اور وہاں سے سیدھے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پارسا اور فرقان سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔

”پارسا آپی دل سے مت لگایئے گا، میں رابعہ آپی سے بات کر کے پوچھتا ہوں کہ کیا بات ہے۔“ پارسا کو برا تو لگا تھا مگر وہ بنا کوئی شکایت کے کچھ دیر بیٹھی رہی اور آدھے گھنٹے بعد رابعہ کی امی سے مل کر بنا رابعہ کی شکایت کیے اپنے گھر چلی گئی۔ پارسا کو حیرانی ہوئی تھی کہ رابعہ کو آخر ہوا کیا ہے۔ فرقان نے جا کر امی کے سامنے سب بیان کر دیا کہ رابعہ نے پارسا کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور رابعہ کے اس برتاؤ کو سن کر اس کی امی بے حد خفا ہوئیں اور رابعہ کے پاس جا کر اس سے ایسے برتاؤ کا سبب پوچھا، تب رابعہ نے کہا۔

”امی مجھے پارسا پسند نہیں، مجھے اس سے بات نہیں کرنی ہے۔“ رابعہ کی بات پر اس کی امی نے خفگی سے کہا۔ ”اچانک تمھیں پارسا کیوں نہیں پسند رابعہ ایسا کیا ہوگیا؟“

”امی سب پارسا، پارسا ہی کیوں کرتے رہتے ہیں ایسا کیا مختلف ہے اس میں جو سب پارسا پر مجھ سے زیادہ توجہ دیتے ہیں؟ ابو بھی پارسا کی ہی تعریف کرتے ہیں جب کہ میں اس سے زیادہ مارکس لائی ہوں۔ میں نے اتنی محنت کی پھر بھی سب اس کی ہی تعریف کیوں کرتے ہیں؟“ رابعہ کی امی اپنی بیٹی کے منہ سے ایسی باتیں سن کر حیرت زدہ رہ گئیں اور اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”دیکھو بیٹا تم جو بھی سوچ رہی ہو وہ سراسر غلط ہے سب تمھیں بھی پسند کرتے ہیں۔ پارسا تمھاری بہن ہے اور بہن سے کبھی مقابلہ نہیں کرتے، وہ تو تمھیں اپنی سگی بہن سمجھتی ہے، اور تم اس سے حسد کر رہی ہو؟... جلن یا حسد جیسی چیز کبھی اپنے دل میں مت پالنا بیٹا۔ یہ جو حسد کی آگ ہوتی ہے نہ بیٹا یہ اچھے اچھوں کو برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

”امی میں پارسا سے حسد نہیں کرتی بلکہ وہ مجھ سے جلتی ہے تبھی تو ہر دفعہ مجھ سے آگے رہنے کی جدوجہد میں لگی رہتی ہے اور دکھاوے کے لیے گفٹ لے کر آئی تا کہ خود کو نیک ثابت کر سکے۔“ رابعہ کے منہ سے ایسی باتیں سن کر اس کی امی دنگ رہ گئیں اسے سمجھانا چاہا مگر اس نے کسی کی ایک نہ سنی۔

اور دن گزرتے گئے پارسا نے رابعہ سے بات کرنے کی بہت کوشش کی لیکن رابعہ تو جیسے اس سے کوئی رابطہ ہی نہیں رکھنا چاہتی تھی کچھ ماہ بعد کالج میں سالانہ امتحان قریب آنے پر Extra کلاسز لی جانے لگیں سب امتحان کی تیاریوں میں جٹ گئے۔ پارسا اور رابعہ بھی امتحان کی تیاریوں میں مگن تھے رابعہ نے طے کیا تھا کہ چاہے جو ہو جائے اسے پارسا سے زائد مارکس لانے ہیں اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس چکّر میں رابعہ نہایت بدتمیز اور غصّیل ہوگئی اور اسی لیے اپنے ابو کی ڈانٹ کھانے لگی اور پارسا کو پیچھے چھوڑنے کے چکّر میں وہ بے انتہا پڑھائی کرنے لگی رات بھر جاگ کر پڑھنے لگی اور دن میں سست رہنے لگی۔ اس کی نیند مکمل نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے اور وہ تھکی ہوئی رہنے لگی۔ امتحان سے ایک دن قبل وہ رات بھر جاگ کر پڑھ رہی تھی اس کی امی نے اسے بہت سمجھایا کہ سو جاؤ اور صبح جلدی اٹھ کر پڑھ لینا ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی، مگر وہ نہیں مانی اور اگلے دن صبح جب وہ امتحان کے لیے گھر سے نکلنے والی تھی تب اچانک وہ چکرا کر گر گئی۔ اس کے والدین گھبرا کر اسے اٹھانے آئے اور جب اسے ہوش آیا تو وہ ہسپتال میں تھی، وہاں اسے پتا چلا کی وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اور تو اور وہ پیپر کے لیے بھی نہیں جا سکی جس کے سبب وہ انتہائی روئی جا رہی تھی۔ مکمل نیند نہ ہونے کے باعث اور پڑھائی کو بے انتہا سر پر سوار کرنا اس کے لیے خطرناک ثابت ہوا۔ رابعہ کی امی اس کے پاس آکر سمجھانے لگیں۔

''میں نے تم سے کتنی دفعہ کہا تھا بیٹا کہ یہ حسد برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ تم پارسا سے جل رہی تھیں۔ اس کے مارکس سے زائد مارکس لانا جیسے تمہاری زندگی کا مقصد بن گیا تھا۔ جس امتحان کے ذریعے تم پارسا کو پیچھے چھوڑنا چاہتی تھی وہ امتحان تم دے نہیں سکیں۔ اب ڈاکٹر نے تمھیں آرام کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔'' رابعہ رونے لگی اور معافی مانگنے لگی اس نے جان لیا تھا کے حسد کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اس نے طے کیا تھا کے وہ پارسا سے معافی مانگے گی۔ پارسا جب امتحان سے گھر آئی تو اس نے پریشان ہو کر اپنی امی سے رابعہ کے امتحان میں نہ آنے کی بات کہی۔ تب پارسا کو اس کی امی سے پتا چلا کی رابعہ کے ساتھ کیا ہوا وہ فکر کرنے لگی اسے جلد از جلد رابعہ سے ملنا تھا۔ شام کو رابعہ اس کے والدین کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔ تب پارسا اپنے والدین کے ساتھ اس سے ملنے آئی۔ وہ رابعہ کے پاس بیٹھ کر اس کی طبیعت پوچھتی ہے تو رابعہ اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ ''مجھے معاف کر دو پارسا مجھ سے غلطی ہوگئی میں نے تمھارے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا ہے اور تو اور میں تم سے جلنے لگی تھی تم سے آگے نکلنے کی خواہشمند تھی میں۔ پارسا، رابعہ کے آنسو صاف کرنے لگی اور کہا۔ ''دیکھو رابعہ میں تمھاری باتوں کا برا نہیں مانتی پر مجھے اس بات کا برا لگا کہ تم مجھ سے زائد مارکس لانے کی خاطر پڑھ رہی تھیں جب کی تمھیں کچھ بننے کے لیے پڑھنا چاہیے تھا، کامیابی حاصل کرنے کے لیے پڑھنا چاہیے تھا۔'' رابعہ نے اپنی غلطی تسلیم کی اور توبہ کر کے عہد کیا کہ وہ دوبارہ کسی سے حسد نہیں کرے گی۔ اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے حسد کی چنگاری کو وقت رہتے ہی بجھا دینا بہتر ہے ورنہ یہ بھڑک کر آگ بن جاتی ہے تو دوستی اور رشتوں کی محبت کو ختم کر دیتی ہے۔

■

Nilofar Sadiya
Block no 2/11,Classic Genrel Store,
Labour colony, Nanded,
Waghala- 4301602(Maharashtra)
Mob.: 9604449122

جہانگیر انس

نہلے پر دہلا

بہت دنوں کی بات ہے۔ سیوان شہر میں ایک کمہار تھا۔ وہ مٹی کے برتن بنایا کرتا تھا۔ اس کے پاس دو گدھے تھے۔ کھیتوں سے انھیں گدھوں پر مٹی لایا کرتا۔ وہ ہمیشہ ایسی مٹی تلاش کرتا جو بالکل چکنی ہوتی اور برتن بنانے کے لیے موزوں ہوتی۔ وہ تھاپی سے مار مار کر مٹی کو نہایت باریک کر دیتا۔ اس کے بعد اس میں پانی ڈال کر اس وقت تک ملاتا رہتا، جب تک پانی اور مٹی ایک نہ ہو جائیں۔ وہ کافی محنت کرتا اور نہایت کاریگری سے برتن بناتا۔ اسے جس قسم کے برتن بنانے کو کہا جاتا اسی قسم کے بنا دیتا۔ اس کے بنائے ہوئے برتنوں کی بازار میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ وہ برتن بنا کر دونوں گدھوں پر مقامی بازار میں لے جاتا۔ اس کے بنائے ہوئے برتن بازار میں پہنچتے ہی فروخت ہو جاتے۔ جب کہ دوسرے کمہار اپنے بنائے ہوئے برتن لے کر دن بھر بازار میں بیٹھے رہتے۔ بہت مشکل سے ان کے برتن فروخت ہوتے۔

اس کمہار کو مٹی کی صراحی بنانے میں مہارت حاصل تھی۔ پہلے زمانے میں گرمی کے موسم میں لوگ پانی ٹھنڈا رکھنے کے لیے صراحی میں رکھتے تھے۔ وہ رنگ برنگی اور مختلف ڈیزائن کی صراحی بناتا جن پر وہ خود سے کشیدہ کاری کرتا۔ اس کی بنائی ہوئی صراحیاں اتنی خوبصورت ہوتیں کہ لوگ پانی ٹھنڈا رکھنے کے لیے کم اور نمائش کے لیے زیادہ خریدتے۔ اس کی بنائی ہوئی صراحیاں گھر کی آرائش میں چار چاند لگا دیتیں۔ وہ عام رائج صراحیوں کے علاوہ بھی مختلف قسم کی صراحیاں بناتا۔ کبھی وہ ٹونٹی دار لوٹے کی طرح صراحی بنا دیتا تو کبھی روشنائی رکھنے والی پرانی دواتوں کی طرح جو الٹ بھی جائیں تو ایک بوند روشنائی باہر نہیں کرتی۔ اس نے سیوان کے مٹی کے برتن کو پورے ملک میں مشہور کر دیا تھا۔ سیوان شہر آزاد بھارت کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد کے آبائی ضلع اور اپنے زمانے کے دنیا کے مشہور ٹھگ نٹور لال کا آبائی ضلع ہونے کی وجہ سے ہی مشہور نہیں تھا بلکہ مٹی کے برتن اور ستو کے لیے بھی مشہور تھا۔

اس کمہار کی بہت سی خوبیوں کے ساتھ اس کے اندر ایک بہت بڑی خامی بھی تھی۔ وہ بہت زیادہ بولتا اور اپنی تعریف کرنے سے نہیں تھکتا تھا۔ اپنے منھ میاں مٹھو بننے کا محاورہ اس پر صادق آتا تھا۔ وہ خود کو بہت زیادہ چالاک اور ہوشیار سمجھتا۔

اس کے بڑبولے پن سے سبھی عاجز رہتے اور اس کو سبق سکھانے کا موقع ڈھونڈتے رہتے۔ ایک دفعہ اس کے پاس ایک شخص آیا۔ اس کے بنائے ہوئے برتنوں کی کافی تعریف کرنے کے بعد اس سے پوچھا ”تم صرف برتن ہی بناتے ہو یا کچھ اور بھی بناتے ہو؟“

اس نے غرور سے سر بلند کر کے کہا ”جو بھی آپ کہیں گے بنا دوں گا۔ میں صرف برتن ہی نہیں بناتا۔ بچوں کے کھلونے ہاتھی، گھوڑا، دیا، کٹوری اور بھی بہت سی چیزیں بناتا ہوں۔“

اس شخص نے اپنی جیب سے سو روپے کا ایک سکہ نکال کر دکھایا اور کہا ”کیا تم اسی قسم کا مٹی کا سکہ بنا سکتے ہو؟“

کمہار نے کہا ”یہ کون سی بڑی بات ہے گول ٹکیہ بنا کر اس پر سکہ کا ٹھپہ مار دینا ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ کوئی خاص چیز بنوانا چاہتے ہیں۔“

اس شخص نے کہا چلو ٹھیک ہے تم دس ہزار مٹی کے سکے بنا دو۔ اس کا جتنا معاوضہ مانگو گے دینے کے لیے تیار ہوں۔

اگر سکے میری مرضی کے مطابق ہوئے تو کوئی بڑی چیز بھی بنوا سکتا ہوں۔

دونوں میں معاملہ طے ہوگیا۔ کمہار نے کہا، لیکن اس کام میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ دیوالی کا تیوہار قریب ہے۔ ابھی دیے وغیرہ بنانے سے فرصت نہیں ہے۔

اس شخص نے پوچھا ’’پھر بھی کتنا وقت لگے گا؟‘‘

کمہار نے کہا کم سے کم چار مہینے لگ جائیں گے‘‘

اس شخص نے کہا ’’مجھے بھی جلدی نہیں ہے۔ میں تمھیں پانچ مہینے کا وقت دیتا ہوں اور سکہ بنانے کا طے معاوضہ دے کر چلا گیا۔

اس کے بعد اس کا معمول ہوگیا کہ ہر پندرہ بیس دن کے بعد، جب کمہار کے پاس کچھ لوگ موجود ہوتے تو وہ آتا اور کمہار سے کہتا تمھیں یاد ہے کہ نہیں۔ وعدے کے مطابق تمھیں مجھے دس ہزار سکے دینے ہیں‘‘

کمہار جواب دیتا ’’مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، پانچ مہینے مکمل ہوتے ہی میں دس ہزار سکے آپ کے حوالے کردوں گا۔‘‘

جب پانچ مہنے گزر گئے تو وہ شخص کمہار کے پاس آیا اور بولا مقررہ وقت پورا ہوگیا ہے اب تم میرے روپے دے دو۔‘‘

کمہار نے کہا ’’ٹھیک ہے میں آپ کے روپے دیتا ہوں اور اپنے بنائے ہوئے دس ہزار مٹی کے سکوں کا اس کے پاس ڈھیر لگا دیا۔

اس شخص نے چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا ’’میں اپنے روپے طلب کر رہا ہوں اور تم میرے سامنے مٹی کا ڈھیر لگا رہے ہو۔ اس نے وہاں موجود لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ’’بھائیو! یہ پاگل ہوگیا ہے یا مجھے بیوقوف سمجھ رہا ہے۔ آپ لوگ گواہ ہیں جب بھی میں اس شخص سے روپے مانگنے آیا ہوں اس نے کہا ہے جمع کر رہا ہوں ایک دفعہ دوں گا‘‘ میں یہ سوچ کر چلا جاتا تھا کہ غریب آدمی ہے۔ ایک دفعہ انتظام نہیں ہو پا رہا ہے تو پانچ مہینے کا وقت طلب کر رہا ہے۔ آج یہ بیوقوف بنانا چاہتا ہے۔

وہاں موجود لوگوں میں چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں۔

کمہار نے لاکھ صفائی اور دہائی دی کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے دس ہزار مٹی کے سکے بنانے کے لیے کہا تھا، لیکن اس کی باتوں پر کسی نے یقین نہیں کیا۔

بات بڑھتے بڑھتے پنچایت تک پہنچی۔ گواہوں کی گواہی ہوئی۔ تمام گواہوں نے بہ یک زبان کہا ’’یہ شخص برابر کمہار کے پاس آتا تھا اور اپنے روپیوں کا تقاضا کرتا تھا اور یہ ہر مہینے، پانچ مہینے بعد دینے کا وعدہ کرتا۔

پنچ گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں۔ گواہوں کی متفقہ گواہی کمہار کے خلاف تھی۔ اس لیے انھوں نے کمہار کے خلاف اپنا فیصلہ سنا دیا۔ کمہار کی صفائی اور دہائی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

کمہار پنچوں کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہوگیا۔ اگر وہ پنچایت کا فیصلہ نہیں مانتا تو اور بھی زیادہ مشکل میں گرفتار ہوسکتا تھا۔ اسے دل پر پتھر رکھ کر اس شخص کو دس ہزار روپے دینے پڑے۔

جب وہ شخص روپے لے کر جانے لگا تو اس نے کمہار کو اپنے نزدیک بلا کر اس کے کانوں میں کہا اسی کو کہتے ہیں ’نہلے پر دہلا‘ اپنے کو سب سے زیادہ ذہین اور چالاک سمجھنا بہت بڑی بیوقوفی ہے۔ جو لوگ خود کو سب سے بڑا چالاک سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس دنیا میں کچھ بھی حرف آخر نہیں۔

کمہار کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔

■

Mojibur Rahman (Jahangir Uns)
Rani Pur, Po.: Koirigawan
P.S: Barharia
Distt.: Siwan - 841232 (Bihar)
Mob.: 9162357830

ایم ایف قریشی

ایک بار کا ذکر ہے، کسی گاؤں میں تین بھائی رہتے تھے۔ سب سے بڑے بھائی کا نام جیک، درمیانی بھائی کا نام ٹام اور سب سے چھوٹے بھائی کا نام ٹونی تھا۔ ان کے ماں باپ بہت سال پہلے گزر چکے تھے۔ وہ تینوں ہی بہت رحم دل، نیک اور ایماندار تھے۔ تینوں محنت کر کے اپنا گزر بسر کرتے تھے۔

ایک دن ایک مقدس پادری ان کے پاس آیا۔ وہ پادری بہت بھوکا اور پیاسا لگ رہا تھا۔ سخت دھوپ میں سفر کر کے اس کی حالت خراب ہو چکی تھی۔ جیک نے سب سے پہلے پادری سے ملاقات کی۔ پادری کی خراب حالت دیکھ کر وہ جلدی سے دوڑ کر پانی لے آیا۔ پادری نے پانی پیا اور جیک کے اس عمل سے بہت خوش ہو گیا۔ پادری نے جیک کو ایک جادوئی تحفہ دیا جو کہ ایک کڑا تھا۔ پادری نے بتایا کہ جس کسی کے پاس یہ جادوئی کڑا ہو گا وہ کبھی پانی میں ڈوب نہیں سکتا۔ جیک نے خوشی خوشی تحفہ قبول کر لیا۔ پادری کا شکریہ ادا کیا اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ٹام آیا۔ اس نے پادری سے ملاقات کی اور اس کو محسوس ہوا کہ پادری بھوکا ہے۔ اس نے باغ سے تر و تازہ پھل توڑے اور پادری کو کھانے کے لیے پیش کیے۔ پادری کو ٹام کی یہ ضیافت بہت پسند آئی اور اس نے ٹام کو بھی ایک جادوئی تحفہ دیا۔ وہ تحفہ ایک ٹوپی تھی۔ پادری نے بتایا کہ اس جادوئی ٹوپی کی مدد سے کسی بھی شخص یا چیز کو صرف اس کی بو سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ٹام نے خوشی خوشی تحفہ قبول کیا، احتراماً جھکا اور چلا گیا۔ آخر میں ٹونی پادری سے ملا۔ ٹونی کی خوش مزاج شخصیت سے پادری بہت متاثر ہوا اور اس سے خوب باتیں کیں۔ پادری نے تیسرا تحفہ ٹونی کو دیا۔ یہ تحفہ ایک انگوٹھی تھی۔ پادری نے بتایا کہ اس جادوئی انگوٹھی کی مدد سے کسی بھی شخص یا اس کی کسی چیز کو مس کر کے اس شخص کے روپ میں خود کو تبدیل کر سکتا ہے۔ ٹونی نے خوشی خوشی تحفہ قبول کیا اور رخصت ہوا۔ تینوں تحفے دے کر پادری چلا گیا۔

ایک لمبا عرصہ گزر گیا۔ تینوں بھائی خوشحال زندگی گزار رہے تھے اور اپنے تحفوں سے ضرورت مندوں کی مدد کرتے۔ جیک اچھے کردار کا مالک تھا مگر کاہل تھا۔ ٹام اور ٹونی بہت محنتی تھے۔ گرمی کی ایک دوپہر تینوں بھائی سمندر کے کنارے اپنے

کام سے جارہے تھے۔ جیک کو چلتے چلتے تھکن محسوس ہونے لگی اور وہ ساحل پر ہی ایک درخت کے نیچے سوگیا۔ ٹام اور ٹونی کام پر روانہ ہوگئے۔ وہاں ساحل پر ایک نوعمر لڑکا صبح سے مچھلی کے شکار کے لیے بیٹھا ہوا تھا مگر اب تک ایک بھی مچھلی اس کے ہاتھ نہیں آسکی تھی۔ لڑکا بہت پریشان ہوگیا اور زور زور سے رونے اور چلانے لگا۔ اس کے رونے اور چلانے کی وجہ سے جیک کی آنکھ کھل گئی۔ لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا اے خدا کیا یہ ناانصافی نہیں ہے؟ میں اور میری دادی تین دنوں سے فاقہ کررہے ہیں اور سمندر میں طوفان کی وجہ سے کوئی شکار نہیں ملا۔ میں سمندر میں طوفان کی وجہ سے زیادہ آگے بھی نہیں جاسکتا۔ یہ سب سن کر جیک کا دل بھر آیا۔ وہ اس لڑکے کے پاس آیا اور اس کو اپنا جادوئی کڑا دے دیا۔ لڑکے نے کڑا پہنا اور سمندر میں چلا گیا۔ جیک واپس آکر درخت کے نیچے سوگیا۔ شام تک جیک سوتا رہا۔ شام کو جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ لڑکے کے جوتے ابھی تک وہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی تک لڑکا واپس نہیں آیا تھا۔ جیک بہت پریشان ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹام اور ٹونی بھی لوٹ آئے۔ جب انھوں نے جیک کو پریشان دیکھا تو وجہ پوچھی۔ جیک نے سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر دونوں بھی غمزدہ ہوگئے۔

ٹام نے فوراً اپنی ٹوپی کی مدد سے لڑکے کے ایک جوتے کی بو سے لڑکے کی تلاش شروع کردی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں ایک بوڑھی عورت آئی۔ بوڑھی وہ دونوں کے پاس گئی اور ان سے کہا مجھ پر ایک آفت آن پڑی ہے۔ میرا پوتا صبح سے سمندر میں مچھلی پکڑنے آیا تھا مگر اب تک واپس نہیں آیا۔ یہ کہہ کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور زور زور سے رونے لگی۔ اس نے اپنی چھاتی پیٹنی شروع کردی۔ اپنے بال نوچنے لگی۔ غم کی شدت سے خود کے کپڑے پھاڑنے لگی اور آخرکار بے ہوش ہوگئی۔ ٹونی تھوڑے فاصلے سے سب سن اور دیکھ رہا تھا۔ اس کو ترس آیا۔ اس نے لڑکے کے بچے ہوئے ایک جوتے سے اپنی انگوٹھی مس کی اور اس نوعمر لڑکے میں بدل گیا۔ وہ بے ہوش پڑی بوڑھی عورت کے پاس آیا۔ اس نے بوڑھی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ تھوڑی دیر میں بوڑھی عورت کو ہوش آگیا۔ جب اس نے اپنے سامنے اپنے پوتے کو کھڑے دیکھا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔

ٹونی کافی دنوں تک بوڑھی عورت کے ساتھ اس کے پوتے کی شکل میں رہا۔ پھر ٹام لڑکے کو ڈھونڈ کر لے آیا۔ ساتھ میں کڑا بھی تھا۔ دونوں بوڑھی عورت کے پاس گئے اور اس کو سارا قصہ سنایا۔ ٹام نے بتایا کہ لڑکا طوفان کی وجہ سے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تھا اس لیے اتنے دن لگ گئے۔ ٹونی پھر سے اپنی شکل میں لوٹ آیا۔ اسی وقت مقدس پادری وہاں وارد ہوا۔ وہ جیک کی غیر ذمے دارانہ حرکت سے بہت ناراض تھا۔ اس نے جیک کی بہت سرزنش کی اور کہا کہ میں نے تحفے لوگوں کی مدد کے لیے دیے تھے نا کہ ان کو سونپ دینے کے لیے۔ تم نے ثابت کردیا کہ تم اس تحفے کے قابل نہیں ہو۔ اتنا کہہ کر پادری نے جیک سے اس کا تحفہ جادوئی کڑا واپس لے لیا اور چلا گیا۔

ٹام اور ٹونی نے اپنے تحفوں کا صحیح استعمال کیا تھا اس لیے وہ تحفے ان کے پاس ہی رہے جبکہ جیک نے اپنا تحفہ گنوا دیا۔

سبق: جس نعمت کا صحیح استعمال نہیں کیا جاتا وہ نعمت واپس لے لی جاتی ہے۔

■

M. F. Qureshi
203, Aqsa Colony
Malegaon, Nashik (Maharashtra)

تیز رفتار

تفضل جمال

تفضل جمال کا تعلق کامٹی ضلع ناگپور مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے ایم ایس بی ٹی ممبئی سے الیکٹریکل انجینئرنگ کا کورس کیا ہے۔ اس کے علاوہ سی ٹی سی بھی کیا ہے۔ ربانی آئی ٹی آئی و جونیئر کالج کامٹی میں سپروائزر اور ایچ او ڈی بھی رہے ہیں۔ سرکاری وغیر سرکاری اداروں سے بھی ان کا انسلاک ہے۔ آل انڈیا آئیڈیل ٹیچر ایسوسی ایشن کامٹی یونٹ کے سکریٹری بھی ہیں۔ بچوں کے رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات چھپتی رہی ہیں۔ انھیں ماہنامہ الفاظ ہند کامٹی کی جانب سے محسن الفاظ اور ربانی آئی ٹی آئی و جونیئر کالج کامٹی کی جانب سے مثالی مدرس کے ایوارڈز مل چکے ہیں۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ میں جلدی اٹھ گیا تھا۔ سوچا کہ کہیں دور دراز علاقے کی سیر کر آؤں، ویسے بھی کافی دن ہو گئے۔ میں نہ کسی دوست سے ملا اور نہ ہی کہیں گھومنے گیا تھا، میں نے سوچا کیوں نا کسی دوست کو بھی ساتھ لے چلوں۔ راستہ طویل ہوگا تو گھومنے کا الگ ہی مزہ آئے گا۔ اکیلے کہیں جانے میں بھی مزہ تو نہیں آتا۔ اس لیے میں نے عفان کو فون لگایا اور اسے ساتھ گھومنے کے لیے چلنے کو کہا۔ عفان نے بھی گھومنے جانے کے لیے ہاں کر دی۔ آج موسم بڑا خوشگوار تھا ہم نے موسم کا لطف اٹھانے اور اپنی چھٹی کو بنا خراب کیے کھنڈسی گھومنے کا پلان بنایا اور جلدی نکلنے کا فیصلہ کیا۔

ویسے تو ہمارے شہر ناگپور کے اطراف میں کافی گھومنے کی جگہ موجود ہے۔ مگر ہم نے 'کھنڈسی' جانے کا پروگرام بنایا۔ جو کہ ہمارے شہر ناگپور ضلع میں واقع رام ٹیک سے کچھ ہی فاصلے پر ہے۔ کھنڈسی پکنک کی بہترین جگہوں میں سے ایک ہے۔ لوگ اکثر وہاں اپنی فیملی کے ساتھ گھومنے جاتے رہتے ہیں۔ کھنڈسی کے اطراف میں بہت سی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں۔ ہمیں کھنڈسی جانے کے لیے نیشنل ہائی وے نمبر 7 سے ہو کر جانا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور اپنے دوست عفان کے گھر چلا گیا۔ عفان کو ساتھ لیا دعائے سفر پڑھی اور سہانے سفر پر نکل پڑے۔ چونکہ راستہ

طویل تھا، اس لیے ہم نے اپنے ساتھ کچھ کھانے پینے کا سامان بھی لے لیا۔ جب ہم نیشنل ہائی وے پر پہنچے تو دیکھا کافی لوگ نظر آرہے تھے۔ جو کہیں نہ کہیں گھومنے جارہے تھے۔ خیر... ہمیں کیا تھا... ہمیں تو خوشگوار موسم کا مزہ لینا تھا۔ اس لیے ہم اپنی موٹر سائیکل دھیرے ہی چلارہے تھے اور اپنی منزل کی طرف بڑھتے جارہے تھے۔

جوں ہی ہم لوگوں نے ہائی وے سے کچھ ہی فاصلہ طے کیا تبھی اچانک ہمارے پیچھے سے بہت سے لوگ جو کہ چار پانچ گاڑیوں میں تھے نظر آئے، شاید وہ لوگ بھی کہیں گھومنے ہی جارہے تھے۔ مگر ان لوگوں کی برق رفتار ہماری موٹر سائیکل کے مقابلے بہت زیادہ تھی۔ انھیں دیکھ کر تو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ لوگ یوں آئے اور یوں چلے گئے...!!! انھیں دیکھ کر لگتا تھا جیسے بہت جلدی میں ہوں۔ خیر...! ہمیں کیا تھا... ہمیں کون سا اولمپک کی ریس میں حصہ لینا تھا جو ہم تیز رفتاری سے چلتے۔ ہمیں تو اپنی سست رفتار میں ہی بڑا مزہ آرہا تھا۔ ہم لوگ بھی موسم کا مزہ لیتے ہوئے جارہے تھے۔ کافی دور چلنے کے بعد اچانک ہمیں وہی لوگ پھر سے نظر آئے جو کہ ہم سے کافی آگے نکل چکے تھے۔ شاید اُن لوگوں میں سے کسی ایک گاڑی کا بہت بُرا 'روڈ ایکسیڈنٹ' ہوا تھا۔ روڈ پر کافی بھیڑ نظر آرہی تھی۔ جب ہم لوگ ان کے قریب پہنچے تو ہمارا شک یقین میں بدل گیا۔ واقعی بہت ہی بھیانک روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ جب ہم لوگ ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ روڈ پر دو لڑکے خون میں لت پت پڑے ہوئے تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکا بیہوش اور دوسرے کے سر پر بہت زیادہ چوٹ لگی ہوئی تھی۔ اُن کے دوست ہر طرح کی ممکن کوشش کر رہے تھے۔ تاکہ وہ اپنے دوستوں کو جلد سے جلد اسپتال لے جاسکیں۔ مگر افسوس...!!! کوئی ان کے پاس رکنا نہیں چاہ رہا تھا۔ سب لوگ ان کے ارد گرد سے نکلتے جارہے تھے۔ کوئی بھی ہائی وے پر رکنے کو تیار نہ تھا۔ جیسے کہ روڈ پر کچھ ہوا ہی نا ہو... جو آتا وہ یوں ہی نکل جاتا جیسے کسی جانور کا حادثہ ہوا ہو۔ سب یوں ہی نظر انداز کر کے نکل جاتے۔ جیسے اِن لوگوں سے اُن کا کوئی لینا دینا نہ ہو۔ (آج انسان کی قیمت اتنی کم ہوگئی ہے۔ جیسے کہ کوئی روڈ پر مرے جانور کی ہو۔)

خیر..... ہم نے فوراً اپنی گاڑی ایک طرف لگائی اور مدد کے لیے آگے بڑھے۔ جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں روڈ حادثہ ہوا تھا۔ ہر طرف خون ہی خون نظر آرہا تھا۔ ہم لوگ بھی ان لوگوں کی مدد کرنے میں لگ گئے۔ کسی طرح سے ان دونوں لڑکوں کو اسپتال لے جانے کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ عفان نے 100 نمبر پر فون کر کے پولیس کو اطلاع دی کہ فلاں جگہ ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ ہم انھیں منسر کے اسپتال لے جارہے ہیں۔ اسپتال ہائی وے پر تھوڑی دور منسر میں واقع تھا۔

ہم نے کسی طرح ان لوگوں کو اسپتال پہچانے کا انتظام کیا۔ اسپتال پہنچتے ہی ایک وارڈ بوائے دوڑتا ہوا ہمارے پاس اسٹریچر لے آیا۔ ہم نے اسٹریچر پر ان لوگوں کو ڈالا اور اسپتال کے اندر ساتھ میں داخل ہوئے۔ وہاں موجود ڈاکٹروں اور نرسوں نے ان لوگوں کو کیجولٹی میں اڈمیٹ کیا۔ وہاں کے ڈاکٹر بھی بڑی تیزی سے ان لوگوں کی خدمات کو انجام دینے میں لگ گئے۔ اب ہم لوگوں نے بھی کچھ دیر وہی رکنا مناسب سمجھا اور وہیں رک گئے۔ اس حادثے کو دیکھنے کے بعد اب تک ہم دونوں کے دماغ سے گھومنے پھرنے کا تمام پروگرام نکل چکا تھا کیونکہ ہم دونوں کو بھی ان لوگوں کی ہی فکر لگی ہوئی تھی۔ اللہ جانے اب کیا ہوگا۔ یہی سوچ سوچ کر ہم بھی بہت پریشان ہورہے تھے اور یہاں وہاں ٹہلنے لگے۔ کچھ دیر بعد جب ڈاکٹر صاحب باہر آئے اور آکر ان لوگوں کے حالات

سے آگہی کی کہ اب یہ لوگ خطرے سے باہر ہیں۔ تب جا کر ہمیں تھوڑا اطمینان ہوا۔

اب میں اور میرے دوست عفان نے کرسی پر بیٹھ کر اطمینان کی سانس لی، ایک دوسرے کو دیکھ کر تسلی دی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اب سب ٹھیک ہے۔ ان شاء اللہ آگے بھی سب ٹھیک ہوگا۔ پھر یوں ہی کچھ باتیں کرنے کے بعد ہم ان باقی لوگوں کو دیکھنے لگے، جن کے دوستوں کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تبھی مجھے ان لڑکوں کے گروپ میں ایک لڑکا نظر آیا شاید جسے میں پہچانتا بھی تھا۔ وہ ہمارے ہی کسی دوست کا بھائی تھا۔ میں نے عفان سے اس لڑکے کی تصدیق کی تو عفان نے کہا... ارے یار... یہ اپنے دوست شاہد کا بھائی جاوید ہے۔ جیسے ہی میں نے اس پر نظر ڈالی وہ بھی مجھے پہچان گیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ہکّا بکّا ہوگیا اور بہت گھبرا گیا۔ اب وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے ایک کنارے سر جھکائے کھڑا ہوگیا۔ شاید اُسے بھی اس بات کا ڈر لگ رہا تھا کہیں میں نے اُسے پہچان نہ لیا ہو یا پھر اُس کے گھر والوں کو ان کی یہ تیز رفتار والی حرکتوں کے بارے میں کچھ کہہ نہ دوں۔ اسی ڈر سے وہ ہم لوگوں سے دور ہوگیا تھا۔ میں نے بھی اب اسے دیکھنا بند کر دیا، کیونکہ وہ پہلے ہی بہت پریشان لگ رہا تھا، اس لیے میں نے بھی اسے نظر انداز کر دیا اور اپنی باتوں میں لگ گیا۔ وہ لڑکے بھی اپنی اپنی باتوں میں لگے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد کسی لڑکے نے اپنے گھر والوں کو حادثے کی اطلاع کر دی۔ اب سب لڑکوں کے چہروں سے حادثے کا ڈر کچھ حد تک کم نظر آ رہا تھا۔

اب میں جاوید کے پاس گیا۔ وہ دیکھتے ہی ڈر گیا اور اپنی نظریں نیچے کیے ہوئے کھڑا رہا۔ وہ مجھ سے صحیح طرح سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔ میں نے بھی اُسے تسلی دیتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا... تم بے فکر رہو۔ میں تمھارے گھر کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مگر میری یہ ایک بات ہمیشہ یاد رکھو۔ دیکھو جو ہوگیا اس کے لیے میں کچھ نہیں کہتا۔ مگر... جو باقی ہیں اس کا سوچو۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں زندگی دی ہے وہ بہت ہی قیمتی ہے۔ اس کی قدر کرو اور اُسے یوں ہی برباد نہیں کرنی چاہیے۔ زندگی کا لطف اٹھاؤ... مزے کرو... مگر سرکار نے جو روڈ کے قوانین بنائے ہیں وہ سب انسانوں کی بھلائی کے لیے بنائے ہیں۔ ان قوانین کا غلط استعمال کرو گے تو تمھارے ساتھ بھی ایسا ہی حادثہ ہوسکتا ہے۔ اس لیے اپنی ذمے داریوں اور اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچو، اگر ایسا حادثہ تمھارے ساتھ ہوا ہوتا تو تمھارے گھر والوں پر کیا گزرتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تم صحیح سلامت ہو۔ وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی ایسا نہیں کرو گے۔ کبھی اتنی تیز رفتار سے گاڑی نہیں چلاؤ گے، سرکاری قوانین کا احترام بھی کرو گے۔

میری باتیں سن کر جاوید شرمندہ ہوگیا اور مجھ سے وعدہ کیا کہ میں آج کے بعد سرکاری قوانین کو دھیان میں رکھ کر گاڑی چلاؤں گا۔ اس حادثے نے میری آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ اتنی باتیں کرنے کے بعد وہ مجھ سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔

کچھ دیر ہم وہیں کھڑے رہے۔ ہمارا گھومنے کا پلان دھرا کا دھرا رہ گیا۔ کچھ دیر کے بعد ہم واپس اپنے گھر آ گئے۔

■

Tafazzul Jamal
Warispura
Kamptee - 441001
Distt.: Nagpur (Maharashtra)
Mob.: 9021132527

چڑیا اور ہاتھی کی کشتی

این آر رابعہ

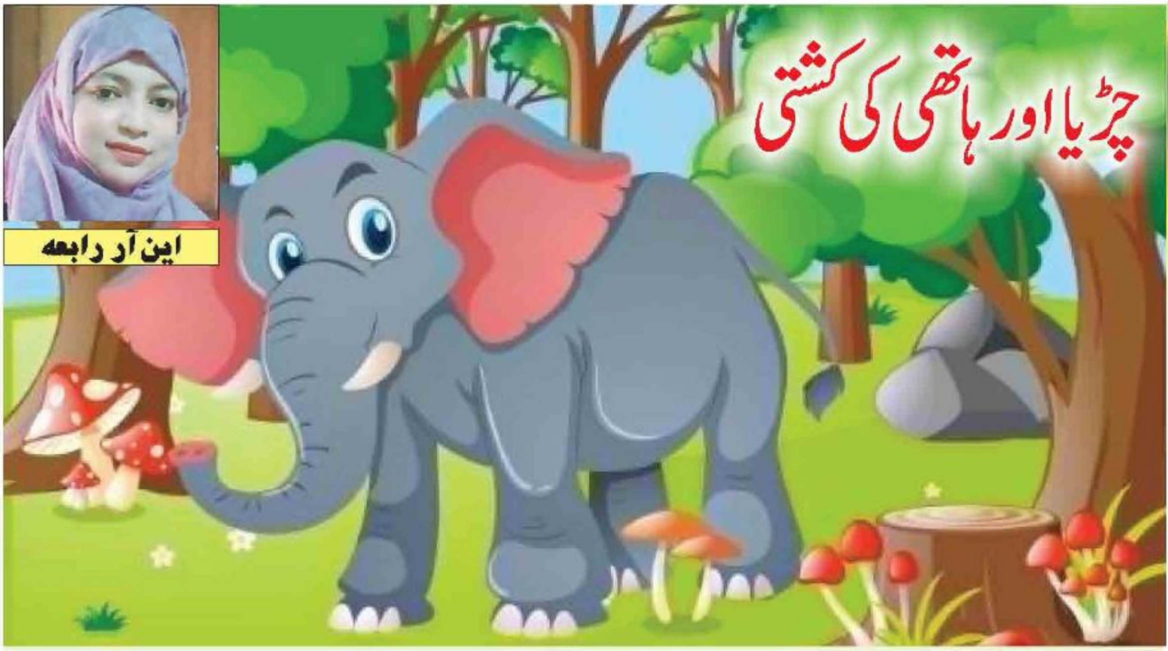

چشم دیدوں کا کہنا ہے کہ آس پاس کے جنگلوں میں یہ جنگل سب سے زیادہ سیلانیوں کے لیے مشہور تھا۔ ایک ضدی ہاتھی نے اس جنگل کو برباد و بدنام کردیا۔ یہاں کے ہاتھیوں کے سب سے بڑے جھنڈ کے سردار ہاتھی سے چڑیا کی کشتی ہوگئی۔ کشتی میں چھوٹے بڑے سیکڑوں پیڑوں کی جان چلی گئی۔ ہاتھی نے جنگل کے جن پیڑوں کی شاخوں کو حقیر سمجھ کر روند ڈالا تھا وہ سوکھی اور کمزور شاخیں بھی گھمنڈی ہاتھی سے نپٹنے کے لیے سیدھی ہوگئیں۔ آخر اس کشتی میں ہاتھی پچھاڑ کھا کر گر گیا۔ تماشائیوں نے قریب جا کر دیکھا تو سوکھی اور نوکیلی شاخیں اور گدّے ہاتھی کے جسم کے آر پار تھے۔ ہاتھی کے بدن کا سارا خون اور مادہ زمین چوس رہی ہے۔ ہاتھی مر چکا ہے، جنگل میں سناٹا ہے، چڑیا ہاتھی کے سر پر کھڑی ہو کر پھڑ پھڑا کر اپنی جیت کا جشن منا رہی ہے۔ چڑیا کو آواز سن کر اپنے بچوں کی چیخ پکار یاد آئی وہ فوراً اُڑ کر اپنے گھونسلے میں گئی تب اس کے بچوں کا شور تھما۔

اب اس بڑے جھنڈ کی سردارنی ایک ہتھنی ہے۔ سردارنی نے جنگل میں جوان ہاتھیوں کو ہڑدنگ مچاتا دیکھا تو اپنے قریب لا کر ہدایت کی، دیکھو اونچے پیڑوں سے کھلواڑ مت کرنا ان پیڑوں کے گھونسلوں میں پرندوں کے پریوار رہتے ہیں اور جب پریوار کے کھیا انتقام پر اتر آتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو ہرا نہیں سکتی، ہمارے جھنڈ کا گھمنڈی سردار ہاتھی اپنی طاقت اور ساتھیوں کے نشے کے زعم میں من مانی کرتا تھا، آخر ایک چڑیا سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔

سردارنی کے دودھ پیتے ہوئے بچے نے سوال کیا یہ کیسے ہوا؟ تو سردارنی نے جواب دیا میں جب تجھے جنم دے رہی تھی تو سارا جھنڈ میری دیکھ بھال میں لگا تھا لیکن ہمارے سردار ہاتھی کا جنگل راج مشہور تھا اس نے برابر کے جنگل سے آکر کہرام مچا دیا۔ اس ظالم نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے میرے جھنڈ پر اور مجھ پر قبضہ جما لیا۔ اس کو کسی کی پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنی مستی میں جنگل میں من مانی کرتا پھر رہا تھا۔ وہ مستی میں ایک پیڑ سے اپنی کمر کھجا رہا تھا۔ اس پیڑ کے گھونسلے میں چڑیا اپنے بچوں کو دانا کھلا رہی تھی۔ پیڑ کے زور زور سے ہلنے سے اس

کے بچے اور گھونسلا کانپنے لگا۔ بچے خوف سے چیخنے لگے۔ چڑیا نے گھر برباد ہوتا دیکھ کر گھونسلے سے باہر دیکھا تو سردار درخت کے تنے سے خود کو رگڑ رہا ہے۔ چڑیا نے ہاتھی سے کہا تم کیا کر رہے ہو میرے بچے بھوکے ہیں۔ کھانا نہیں کھائیں گے۔ سردار نے اکڑ کر کہا میں جنگل کا راجا ہوں۔ بھر پیٹ کھانا کھا چکا ہوں۔ امرتی رانی، نئی سردارنی کو اپنی طاقت دکھا رہا ہوں۔ چڑیا نے کہا میرے بچے ڈر رہے ہیں۔ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ تم اپنی مستی کسی اور پیڑ سے مٹا لو یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ..... سردار نے چڑیا کا جملہ پورا نہیں ہونے دیا اور پھر سے بدن رگڑتے ہوئے بولا ورنہ کیا کرے گی۔ میں اسی پیڑ سے کمر کھجاؤں گا جو تجھ سے ہو کر لے۔ چڑیا گھونسلے سے اڑی اور ہاتھی کے کان میں گھس گئی اور اندر پھڑ پھڑانے لگی۔ ہاتھی کی سونڈ چڑیا کو نکالنے میں ناکام رہی، چڑیا کے بار بار پھڑ پھڑانے سے ہاتھی بدحواس ہو گیا اور اس جنگل میں ادھر ادھر بھاگتے بھاگتے لڑکھڑا کر گرنے پڑنے لگا۔ سردار کے جگہ جگہ گرنے سے کمسن اور جوان پودے برباد ہو گئے، جنگل کی رونق جاتی رہی، سوکھی شاخیں اور نوکیلے گدے سردار کے جسم میں گھس کر آر پار ہو گئے۔ کافی دیر بعد سردار نڈھال ہو کر گر گیا۔ سردار کا یہ پاگل پن دیکھ کر وہ ہتھنی بھاگ گئی۔ اس کی دردبھری چنگھاڑ سن کر سارے ساتھی اور میں اس کی مدد کو بھاگے۔ کوئی اس کی مدد نہ کر سکا۔ اس کی خستہ حالت دیکھ کر میں بھی غش کھا کر گر پڑی۔ تیرے سردار پتا کی موت ہو گئی اور تو پیدا ہو گیا۔ ہاتھیوں کی خوشی اور تیری معصوم ہنکار سن کر چڑیا سردار کے کان سے باہر نکلی اور تجھے دیکھ کر اس کو اپنے بچوں کی یاد آ گئی اور اڑ کر اپنے گھونسلے میں پہنچی تب اس کے بچوں کا رونا دھونا بند ہوا۔ پتہ چلا عقل سے دشمن کی طاقت کا استعمال اسی پر کر دو۔

یہ سوکھی اور کمزور شاخیں اور بوڑھے گدے جنگل میں ہماری پرجا کی ضرورت ہیں۔ مجھے اس بدحال جنگل کو سدھارنے اور جھگڑے فساد کر کے یہاں سے بھگائے گئے ساتھیوں کو لا کر بسانے میں ایک عرصہ لگے گا۔ جنگل کی حفاظت پرجا کرتی ہے۔ پرجا کی حفاظت ہمارا ذمہ ہے۔ جنگل ہمارا گھر ہے۔ جب ہمارے محافظ مخالف ہو جائیں تو بے وقت مرنا یقینی ہے۔ راجا کا کام ہے سب کو دیکھے ایک سمان اور ساری پرجا کو جانے اپنی سنتان۔

■

N. R. Rabia
Kathghar Ur Pura
Imli Wali Masjid, Moradabad - (UP)
Mob.: 9520573608

حقانی القاسمی

بچپن: دھنک رنگ سا

اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں
پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے — بشیر بدر

پیارے بچو! آپ ابھی عمر کی جس دہلیز پر ہیں اسے پار کرتے ہی آپ کو بھی بچپن کی یادیں، معصوم شرارتیں، نادانیاں، اٹکھیلیاں، پکڑن پکڑائی، جگنو تتلی سب یاد آئیں گے اور آپ کے دل میں بھی یہ خواہش ہوگی کہ کاش بچپن کے زمانے پھر لوٹ آتے، مگر وہ جنت گمشدہ کبھی واپس نہیں آتی۔ بس ایک حسرت سی رہ جاتی ہے۔ آپ نے سدرشن فاکر کا لکھا اور جگجیت سنگھ کا گایا ہوا یہ گانا ضرور سنا ہوگا۔

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی
یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو

بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی
محلے کی سب سے نشانی پرانی
وہ بڑھیا جسے بچے کہتے تھے نانی
وہ نانی کی باتوں میں پریوں کا ڈھیرا
وہ چہرے کی جھریوں میں صدیوں کا پھیرا
بھلائے نہیں بھول سکتا ہے کوئی
وہ چھوٹی سی راتیں وہ لمبی کہانی
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

ڈاکٹر عائشہ سمن کی کتاب 'بچپن: دھنک رنگ سا' جب دیکھی تو بچپن سے جڑی بہت سی باتیں ذہن کے پردے پر ابھرنے لگیں۔ انھوں نے اس کتاب کے عنوان کے ذریعے ہی بچپن کی بہت سی باتوں کا آموختہ یاد کرادیا ہے۔ اس کتاب میں بچپن کے وہ سارے کردار ہیں جن سے بچوں کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے۔ تتلی، گڑیا رانی، راجہ بیٹا، بارش، سردی، سرکس، سبزی والی بائی، پیڑ پودے، روٹی، ٹیچر، کوا، غبارے یہ ایسی چیزیں ہیں جنھیں بچے کبھی بھول نہیں پاتے۔ اس کے علاوہ بچپن کی زندگی کا سب اہم ایک کردار ہے اور وہ ہے 'ماں' جسے آخری سانس تک کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ عائشہ سمن کی اس کتاب میں بچپن کی وہ ساری فضا ہے، وہ سارا ماحول ہے جو بڑے ہونے کے بعد بھی ذہن سے محو نہیں ہوتے، بڑی خوبصورت سی نظم ہے 'دھنک رنگ سا بچپن میرا'۔ یہ بچپن کی ایک خوبصورت تعبیر اور تصویر ہے:

تتلی یا کاغذ کی ناؤ/ دھوپ ہو یا پیڑوں کی چھاؤں/ کھیلنا چاہیں کھیلیں کودیں/ دوڑیں بھاگیں اچھلیں کودیں/ شور مچائیں رنگ جمائیں/ بارش کے پانی میں نہائیں/ جب جو چاہے پاتا بچپن/ پیار بھرا مسکاتا بچپن/ امی ابا دادا دادی/ بھیا چاچا، نانا نانی/ سب کی آنکھ کا تارا بچپن/ ان سب کا ہی سہارا بچپن

بچپن کی کردار سازی میں جس کا سب سے کلیدی رول ہوتا ہے وہ کوئی اور نہیں وہ صرف اور صرف ماں ہے۔ دنیا کی سب سے

خوبصورت نظم ماں کو عائشہ سمن نے اپنی ایک نظم 'بہت یاد آتی ہو ماں' میں یوں جذباتی خراجِ محبت پیش کیا ہے:

جو بیمار ہوں ہم/تڑپ جاتی تھیں تم/مسیحائی کرتیں/دوائیں پلاتیں/گلے سے لگاتیں/تھپکتیں... سلاتیں/وہ پیار و محبت/وہ شفقت، وہ چاہت/حمایت مروت/تمہاری سخاوت

پڑھا کر، لکھا کر کہ انساں بنانا/میں جب جب بھی سوچوں تو ہاں... / بہت یاد آتی ہو ماں... / بہت یاد آتی ہو ماں...

ذہن میں بچپن کو زندہ کرنے والی اور بھی بہت سی نظمیں اس کتاب میں ہیں اور ساری نظمیں بہت خوبصورت اور پیاری ہیں۔ ان میں بچوں کی نفسیات، ذوق، جذبہ اور ذہنی سطح کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

ساری نظمیں بہت ہی آسان اور سلیس زبان میں ہیں۔ ایسی زبان جس میں بہت روانی ہے۔ عائشہ سمن نے ہر نظم بچوں کی پسند کے مطابق ہی تحریر کی ہے تاکہ بچے نہ صرف ان نظموں سے محظوظ ہوں بلکہ ان سے انھیں کچھ سبق بھی ملے۔

نظموں کے علاوہ اس کتاب میں بچوں کے لیے کچھ کہانیاں بھی ہیں۔ خاص طور پر کورونا شہزادی، لاک ڈاؤن، گلک، عیدی وغیرہ، اور اس طرح کی اور بھی کہانیاں جن سے بچوں کے ذہن پر اچھے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ کورونا شہزادی کے عنوان سے ایک اچھی کہانی ہے، جس میں سب لوگ 'گو کورونا گو کورونا' کی آواز لگاتے ہیں۔ مگر ایک ماں کہتی ہے کہ ''خدارا! کورونا کو مت بھگائیے، وہ میرے گھر کی شہزادی ہے، اس کے آنے سے 21 سال بعد میرا بیٹا میرے پاس آیا ہے۔'' بہت خوبصورت انداز میں عائشہ سمن نے لاک ڈاؤن کے زمانے میں رشتوں کی اہمیت اور معنویت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ 'گلک' بھی ایک اچھی کہانی ہے، جو کورونا سے جڑی ہوئی ہے کہ جب سارے راستے بند ہوجاتے ہیں تبھی

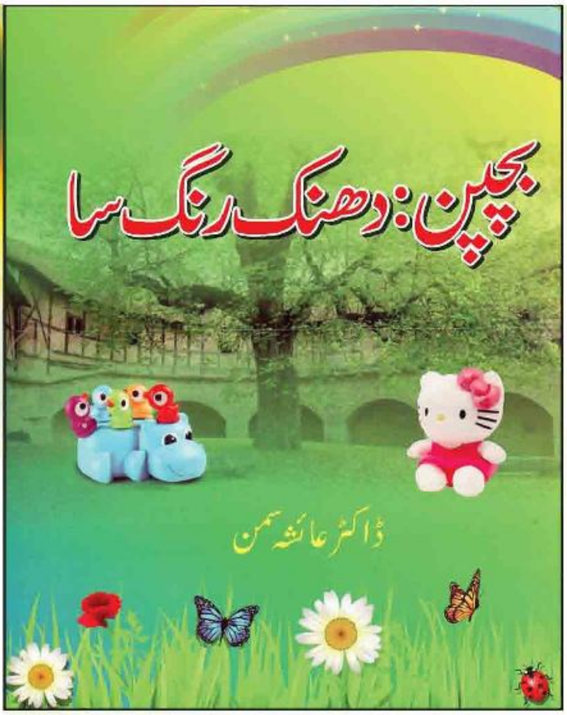

بچپن: دھنک رنگ سا، شاعرہ: ڈاکٹر عائشہ سمن، سنہ اشاعت: 2021، رابطہ: فلیٹ نمبر 30، مقابل بوھری مسجد، بازار روڈ، باندرہ ویسٹ، ممبئی۔ 400050، موبائل: 9028587844

گلک سے آسائش و عافیت کا ایک دروازہ کھلتا ہے۔ عائشہ سمن نے اپنی کہانیوں اور نظموں کے ذریعے بہت ہی خوبصورت پیغام دیا ہے۔ عائشہ سمن تدریس سے جڑی رہی ہیں، اس لیے بچوں کی نفسیات اور ان کے ذوق کا اندازہ ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے شعرستان (برائے بیت بازی)، اور حرف حرف آئینہ جیسی کتاب بھی مرتب کی ہے۔ یہ دونوں کتابیں بچوں کے لیے بہت مفید ہیں۔ 'بچپن: دھنک رنگ سا' ادب اطفال میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔ عائشہ سمن نے پھول سے بچوں کو خوبصورت گلدستہ پیش کیا ہے۔

■

Haqqani Al-Qasmi
B-145/8, 4th Floor, Thokar No.: 8
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

صحت املا

قواعد زبان میں املا کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ لکھنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو لفظ لکھا جا رہا ہے اس کی صحیح صورت کیا ہے؟ آج کے دور میں املا میں بہت سی تبدیلیاں آچکی ہیں جس کی وجہ سے دشواریاں بھی پیدا ہو رہی ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے املا کے مسائل پر خاص طور پر توجہ دی تھی۔ اصلاح املا کمیٹی کی تشکیل بھی اسی نقطۂ نظر سے کی گئی تھی جس نے بہت سی تجاویز بھی رکھیں۔ مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی جیسی شخصیات نے املا کی صحت اور اصلاح کے تعلق سے اہم مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ املا پر اردو میں کچھ اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں اصلاح تلفظ (مولانا ابوالخیر صدیقی)، املا نامہ (پروفیسر گوپی چند نارنگ)، اردو املا اور رسم الخط (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)، اردو املا اور اس کی اصلاح (ڈاکٹر ابو محمد سحر)، اصلاح تلفظ و املا (طالب الہاشمی)، اردو میں تلفظ (ڈاکٹر یوسف رامپوری) قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے صحیح املا لکھنے میں طلبا کو رہنمائی مل سکتی ہے۔

واو

بہت پہلے سے لفظوں میں پیش کو ظاہر کرنے کے لیے 'واؤ' لکھا جاتا تھا، جیسے: اوس، اودھر، اودھار، اودھم، اوٹھانا۔'' یہ 'واؤ' لفظ کا جز نہیں ہوتا تھا، بلکہ 'اعراب بالحروف' کے طور پر محض علامت کی حیثیت رکھتا تھا۔ بہت سی اور تبدیلیوں کے ساتھ، یہ فالتو 'واؤ' اکثر لفظوں میں سے نکل گیا، مگر بعض لفظوں میں اس زائد اور علامتی 'واؤ' کی صورت اب بھی نظر آجایا کرتی ہے، جیسے: دوکان، پہونچنا۔

کچھ لفظوں کی صورت یہ ہے کہ اصل لفظ میں واو جزوِ لفظ کی حیثیت سے موجود ہے، اس لفظ سے ایک اور لفظ بنا، جس میں تلفظ کے لحاظ سے واو کی گنجائش نہیں، مگر کچھ لوگ اصل کی رعایت سے اس لفظ کو بھی مع واو لکھنے لگے اور کچھ لوگ تلفظ کی رعایت سے واو کے بغیر لکھتے رہے جیسے: لوہار اور لہار۔ اصل لفظ لوہا ہے۔

مشکل یہ ہوئی کہ خود لغات میں یہ خلفشار پایا جاتا ہے۔ بہت سے لفظ جن میں زائد 'واؤ' لکھا جاتا تھا، واو کے بغیر لکھے ہوئے ہیں اور کچھ لفظ اسی طرح مع واو ملتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ الجھن کی بات یہ ہے کہ کچھ لفظوں کو الگ الگ فصلوں میں، مع واو بھی لکھا گیا ہے اور بلا واو بھی، اور صراحت بھی نہیں کی گئی ہے جیسے 'آصفیہ' میں بہنی اور بوہنی، دونوں کو الگ الگ فصلوں میں درج کیا گیا ہے اور کہیں یہ نہیں لکھا گیا کہ اس لفظ میں 'واؤ' کی حیثیت کیا ہے۔ اسی طرح لوہار اور لہار، موچھندر اور مچھندر، دہرانا اور دوہرانا، دہائی اور دوہائی ان سب لفظوں کی دو دو صورتیں نظر آتی ہیں۔ مچھندر اور موچھندر، یہ دونوں لفظ الگ الگ فصلوں میں آئے ہیں۔ (م چ: مچھندر — م و: موچھندر) اور ایک مثالیہ شعر دونوں میں مشترک ہے، جس میں وزن کے لحاظ سے 'مچھندر' نظم ہوا ہے؛ اس سے معلوم ہوا کہ وزن کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، لفظ کی رائج اور قدیم صورتوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس سے بہت الجھن پیدا ہوتی ہے۔

اس الجھن میں مزید اضافہ یوں ہوتا ہے کہ ایک لفظ کو ایک جگہ مع واو لکھا گیا ہے، پھر دوسری فصل میں اسی لفظ کو 'واؤ' کے بغیر لکھا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس پہلے والے لفظ کو دیکھنے کی ہدایت کی گئی؛ جیسے: آصفیہ میں 'دولائی' کے ذیل میں لکھا گیا ہے: 'دیکھو دُلائی' یا 'مونہہ' کے تحت لکھا گیا ہے: 'دیکھو منہ' پڑھنے والا خواہ مخواہ یہ سمجھے گا کہ اس لفظ کی صورتیں تو دونوں حقیقی اور برحق ہیں؛ فرق ہوگا تو ترجیح کا ہوگا۔

ایسے لفظ جن میں 'واؤ' پیش کو ظاہر کرنے کے لیے لکھا جاتا تھا؛ اب ان سب کو واو کے بغیر لکھا جائے گا۔ ایسے کچھ لفظوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ بعض الفاظ کے ذیل میں کچھ ضروری

تشریحات کو بھی درج کیا گیا ہے:

دکان: عربی میں 'کاف' مشدد ہے۔ (دُکّان)۔ فارسی میں اس کو بہ تشدید و بہ تخفیف دونوں طرح استعمال کیا گیا۔ صاحب بہارِعجم نے اس لفظ کے ذیل میں صراحت کردی ہے کہ اس کو مع 'واؤ' لکھنا یا بولنا غلط ہے۔

''وتلفظ و کتابتِ آں بہ واو بعد الدول غلطِ فاحش، بلکہ خطاست۔''

'نور' میں بھی صراحت کردی گئی ہے کہ ''اس کا املا واو کے ساتھ غلط ہے۔''

'آصفیہ' میں پہلے 'دکان' لکھا گیا ہے، اس کے بعد 'دال مع واؤ' کی فصل میں 'دوکان' لکھ کر لکھا گیا ہے: 'دیکھو دکان'۔ اس سے بات صاف نہیں ہوتی، احتمال کی گنجائش رہتی ہے کہ شاید اس لفظ کے دونوں املا صحیح ہوں۔

اس لفظ کا صحیح املا 'دکان' ہے، واو کے بغیر۔ نظم میں اگر یہ 'طومار' کے وزن پر آئے تو اصل کے مطابق 'دکّان' (بہ تشدید 'کاف' لکھا جائے گا۔ جیسے

خانمانِ عاشقاں، دکّانِ آتش باز ہے (غالب)

پہنچنا، پہنچانا، پہنچوانا، پہنچ، پہنچا، پہنچی:

مصدر اور مشتقات کو پہلے زیادہ تر مع واو لکھا جاتا تھا (پہونچنا)۔ اس لفظ کا یہ قدیم املا اب بھی دیکھنے میں آجاتا ہے۔ اس کے لازمی طور پر 'واؤ' کے بغیر لکھنا چاہیے۔

اس لفظ میں ایک اور اختلاف بھی ہے اور اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے: رشک نے نفس اللغة میں لکھا ہے:

''پوہنچا، ف: بند دست۔ ع: ساعد۔ واملاے ایں لغت ہمین است، چہ اگر ہاے ہوز بعدِ ہاے فارسی نویسند، باے فارسی مخلوط الہا شود، فتأمل۔ و ماضیِ رسیدن۔''

اس لغت میں 'پوہنچ'، 'پوہنچانا'، 'پوہنچی' اسی طرح لکھے گئے ہیں۔

صاحب نور نے بھی ان لفظوں کے اسی املا کو صحیح مانا ہے، 'پہنچ' کے ذیل میں لکھا ہے ''اس کا صحیح املا 'پوہنچ' ہے۔'' پھر 'پہنچا' لکھ کر لکھا ہے: ''اس کا صحیح املا 'پوہنچا' ہے۔'' مولف نے حوالہ نہیں دیا، مگر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے قول کی بنیاد، رشک کے مندرجۂ بالا اندراج پر ہے مگر صاحب نور کے علاوہ، اور لوگوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا، یہاں تک کہ رشک کے شاگرد جلال نے اپنے لغت سرمایۂ زبانِ اردو میں اس کی پیروی نہیں کی اور ان لفظوں کا املا وہی لکھا ہے جو اس زمانے میں رائج تھا، یعنی 'پہونچا'، 'پہونچی'، 'پہونچا ہوا'۔ اس زمانے کے اندازِ نگارش کے مطابق واوان کے یہاں بھی موجود ہے۔

آصفیہ میں پہنچ، پہنچا، پہنچنا، پہنچانا، پہنچی: ان سب کو صحیح طور پر واو کے بغیر لکھا گیا ہے۔

مُٹاپا، بڑھاپا، نکیلا، جُلاہا۔

لُہار، مچھندر، اُدھار

دُلہن، دُلہا یا دولھا:

دُلہن عام طور سے واو کے بغیر بولا جاتا ہے۔ اس کو 'دلہن' بھی سنا گیا ہے۔ دُلہا کو مع واو اور واو کے بغیر، دونوں طرح سنا جاتا ہے۔ تحریر کا بھی یہی حال ہے۔ نظم میں بھی اس کو دونوں طرح استعمال کیا گیا ہے۔

نور میں ان لفظوں کو جس طرح لکھا گیا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولف کے نزدیک دلہن واو کے بغیر، اور دولھا مع واو ہے۔ چلن بھی اسی کا زیادہ ہے۔ آصفیہ میں بھی 'دولہن' کے ذیل میں لکھا گیا ہے: 'دیکھو دُلہن' اس سے بھی اسی پہلو کی تائید ہوتی ہے۔ دولھا کو دونوں طرح لکھا گیا ہے، مگر اس کے زیادہ متعلقات کو 'دولھا' ہی کے ذیل میں لکھا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ 'دلھن' کو واو کے بغیر لکھا جائے گا اور 'دولھا' کو مع واو لکھا جائے گا۔ ضرورتِ شعر کی بات دوسری ہے۔ ■

ماخذ: اردو املا، **مصنف:** رشید حسن خاں، **پانچویں طباعت:** 2019، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

رفیع الدین ناصر

میں توانائی کا خزانہ، توانیہ ہوں

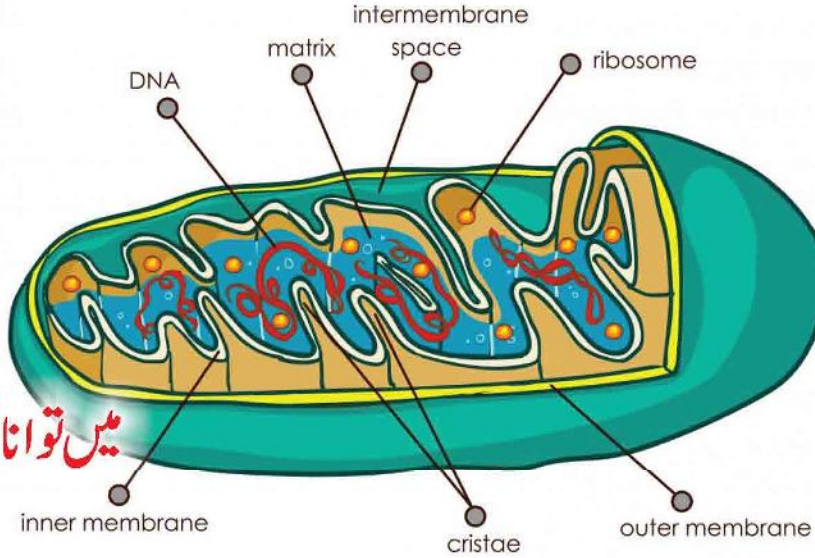

پیارے پیارے ننھے منے بچو! کیا کبھی آپ نے سوچا ہے کہ آپ جب روزے سے ہوتے ہیں، دن بھر آپ کچھ کھاتے پیتے نہیں تو آپ کو کام کرنے کے لیے طاقت کہاں سے ملتی ہے؟ یہ طاقت آپ کے جسم میں موجود خلیے کے توانیہ یعنی کائٹو کورنڈیا (Mitochondria) سے حاصل ہوتی ہے جو اس میں موجود رہتی ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ حیاتیات کی ایک شاخ خلیاتی حیاتیات (Cytology) ہے۔ آپ کو معلوم ہے نا اس میں کیا پڑھایا جاتا ہے، چلو ہم بتاتے ہیں۔ اس میں زندگی کی بنیادی اکائی یعنی خلیہ (Cell) کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ خلیے میں مختلف اقسام کے عضوچے (Organels) کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اسی گنجان آبادی میں سے ایک میں ہوں جسے سب مائٹوکونڈریا (Mitochondria) اور اردو میں توانیہ کہتے ہیں۔ آپ کو بتادوں کہ میں کسی بھی کامل نباتی خلیہ (Eukaryotic Cell) جو پودوں کے ہوں یا حیوانات کے ہوں میں ان میں پایا جاتا ہوں۔

ننھے منے دوستو! آپ تجسس میں پڑ گئے ہوں گے کہ میری تسمیہ خوانی یعنی یہ نام مجھے کس نے دیا تو میں بتلادوں کے میرا نام سب سے پہلے 1898 میں سائنسداں بینڈا (Benda) نے مائٹوکانڈریا کی حیثیت سے تجویز کیا، بعد میں مختلف سائنسدانوں نے مجھ پر تحقیق کی اور اس نام کو باقی رکھا۔ اب آپ سوچ میں پڑ گئے ہوں گے کہ اردو میں مجھے توانیہ کیوں کہتے ہیں؟ آپ کی سوچ بجا ہے چونکہ میں توانائی گھر کے طور پر کام کرتا ہوں اور وقت ضرورت خلیہ کے واسطے سے پورے جسم کو توانائی فراہم کرتا ہوں۔ اس لیے مجھے توانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ویسے میں مائٹوکونڈریا کے نام سے مختلف زبانوں میں جانا جاتا ہوں۔

پیارے دوستو! شکل وصورت کے اعتبار سے میں بہت خوبصورت ہوں۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ میں اپنی تعریف خود کررہا ہوں بلکہ سائنسدانوں کے بقول دیگر خلوی عضو کے مقابلے میں میں بہتر طور پر بہت سے خلیں کے درمیان شناخت کیا جاسکتا ہوں۔ میں چونکہ خلیہ مائیہ (Cytoplasm) میں پایا جاتا ہوں۔ اس لیے میں کبھی دانے دار اور کبھی ریشے دار شکل میں دکھائی دیتا ہوں۔ میں کبھی انڈے کی شکل کا تو کبھی ٹینس کی

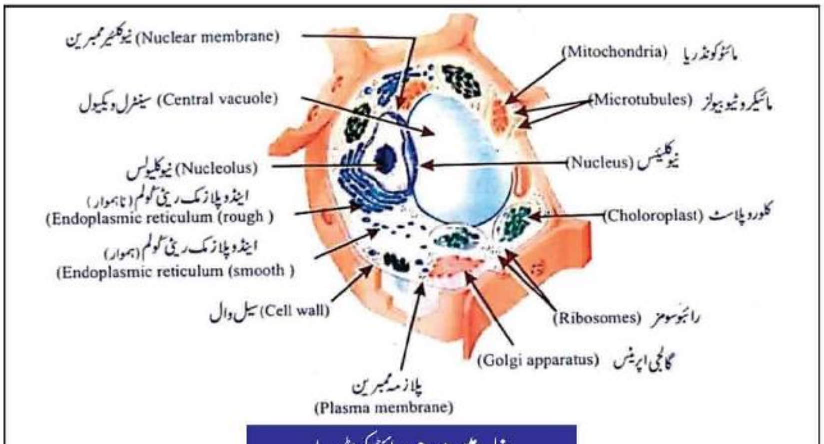

خلیہ میں موجود مائٹوکونڈریا

ریکیٹ کی طرح دکھائی دیتا ہوں۔ جسم کے اعتبار سے بہت بڑا نہیں ہوتا ہوں بلکہ میری لمبائی تین چار مائکرون ہوتی ہے اور قطر نصف مائکرون سے ایک مائکرون تک ہوتا ہے۔ خلیے کی ساخت کی تبدیلی کے لحاظ سے میرا جسم بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر خلیے میں میری تعداد بھی مختلف ہوتی ہے۔ میری تعداد کا انحصار خلیے کی استحالی سرگرمیوں (Metabolic Activities) پر ہوتا ہے۔ اگر خلیہ زیادہ استحالی سرگرمی یعنی تنفس، انجذاب، اخراج وغیرہ انجام دیتا ہے تو اس خلیے میں میری تعداد زیادہ ہوتی ہے بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ میرے وجود کی بنا پر ہی کوئی خلیہ یہ تمام سرگرمیاں انجام دیتا ہے۔ میں آپ کو بتا تا چلوں کہ ایک عام انسانی جگر (Liver) کے ایک خلیے میں میری تعداد 300 تا 400 تک ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف منوے (Sperm) میں 20 سے 24 ہوتی ہے۔ تمام خلیات میں میری حرکات و سکنات آزادانہ ہوتی ہے۔

آیئے! اب میں آپ کو اپنے جسم کی اندرونی سیر کراتا ہوں۔ میرا جسم دوہری تہہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ بیرونی تہہ موٹی ہوتی ہے جبکہ اندرونی پرت پر انگشت نما ابھار پائے جاتے ہیں جسے Caistae کہتے ہیں۔ میری اندورنی جھلی کے اندر ایک سیال پایا جاتا ہے۔ جو مرکبات سے بھرا ہوتا ہے اس میں تنفس (Respiration) سے متعلق خامرے بھی پائے جاتے ہیں جو آکسیجنی تنفس (Aerobic Respiration) کے دوران غذائی سالمات کو توڑ کر توانائی بناتے ہیں۔ یہ توانائی ATP یعنی Adenosine Triphosphate کہلاتی ہے جو وقت ضرورت فراہم کی جاتی ہے۔

آپ یہ بہتر جانتے ہیں کہ آپ کا جسم مختلف عضلات سے مل کر بنتا ہے اور یہ عضو اپنا کام انجام دیتا ہے۔ اسی طرح میرے جسم میں مزید چھوٹے چھوٹے عضوچے پائے جاتے ہیں یہ تمام عضوچے Cristae کے اندر موجود سیال میں ہوتے ہیں جن میں قابل ذکر ہے DNA، جس کی وجہ سے میں اپنے آپ کو دوبارہ بنالیتا ہوں۔ ٹوٹ پھوٹ کے بعد

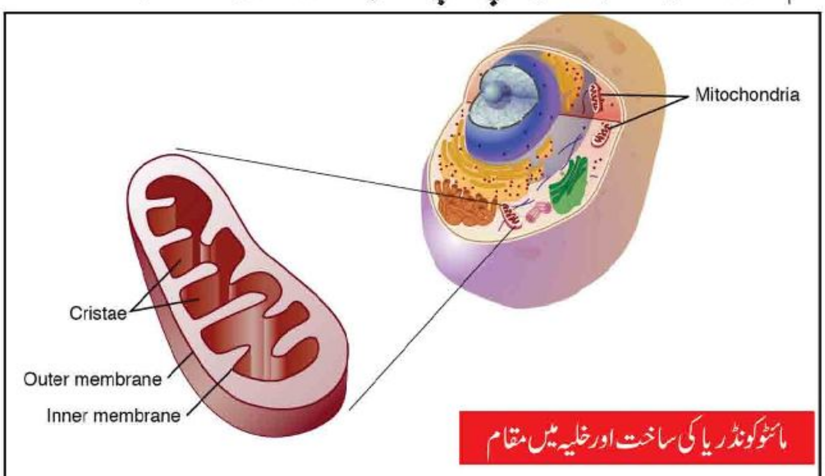

مائٹوکونڈریا کی ساخت اور خلیہ میں مقام

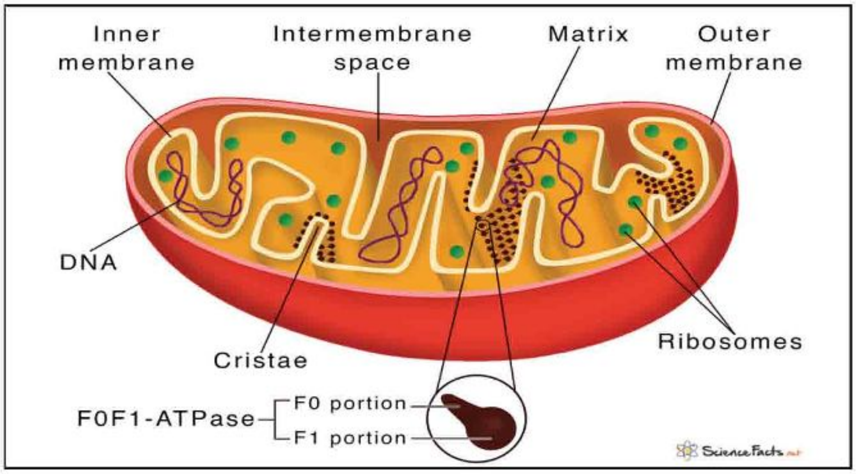

DNA کے وجود سے میری دوبارہ تعمیر ہوتی ہے ۔ میرے Cristae کی اندرونی سطح پر Elementry Particles پائے جاتے ہیں جو ابھری ہوئی ڈنڈی دار حالت میں موجود ہوتے ہیں۔ ان میں وہ تمام خامرے (Enzymes) موجود ہوتے ہیں۔ جو تنفس کے منتقلی نظام (Electron Transport System) کے لیے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ میرے اندر DNA، رائبوزوم اور مختلف کیمیائی مرکبات موجود ہوتے ہیں۔

ننھے منے دوستو! اب میں اپنے بارے میں ایک بہت اہم بات بتاتا چلوں کہ مجھے 'خلیے کا توانائی گھر' (Powerhouse of Cell) کہتے ہیں، وہ اس لیے کہ تمام حیاتی توانائی جسم کو میں ہی فراہم کرتا ہوں جو میرے اندر عمل تنفس کے دوران جمع ہوتی ہے اور میں اسے وقت ضرورت فراہم کرتا رہتا ہوں۔ اس لیے مجھے توانائی کا خزانہ (Energy Bank) بھی کہا جاتا ہے۔ میرے جسم کے اندر 70 سے زائد Enzymes اور Co-enzymes موجود ہوتے ہیں۔

پیارے دوستو! میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خلیے کے عمل تنفس کے مراحل زیادہ تر میرے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے غذائی مادے بطور خاص کاربوہائیڈریٹس اور چربی مکمل طور سے کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی کے ذرات میں تبدیل ہوتے ہیں۔ اس حیاتی عمل کے دوران توانائی تیار ہوتی ہے جو ATP کی شکل میں ہوتی ہے۔ میرے تعلق سے کی گئی جدید تحقیقات میں یہ بتلایا کہ میں مختلف کمپارٹمنٹ کا نظام (Compartmentalized System) ہوں کیونکہ میری ساخت کے لحاظ سے مخصوص خامرے (Enzymes) میری بیرونی جھلی پر ہوتے ہیں جبکہ کچھ اندرونی جھلی پر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اس سیال میں موجود ہوتے جو بیرونی اور اندرونی جھلی کے درمیان ہوتا ہے باقی کے تمام درمیانی سیال میں ہوتے ہیں۔ اس میں عمل تنفس کا سب سے طویل مرحلہ کریب کادرد (Kreb's Cycle) وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اب آخر میں ایک بات آپ ذہن نشین کرلیں کہ میری صحت پر ہی تمام جسم کی صحت کا انحصار ہوتا ہے ۔ مجھے صحت مند رکھنے کے لیے آپ کو چاہیے کہ رات میں جلدی سوئیں، صبح جلدی جاگیں، ہلکی ورزش کریں۔ متوازن غذا کا استعمال کریں۔ گندی چیزوں سے دور رہیں تو میں صحت مند اور چاق و چوبند رہتا ہوں۔ ورنہ پھر اگر میں ناراض ہوجاؤں تو دل، پھیپھڑے وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور جلد بڑھاپا آجاتا ہے۔

(تعارف نومبر 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ھے)

■

Dr. Rafiuddin Naser
HOD Botany, Maulana Azad College of Arts, Science and Commerce
Dr. Rafiq Zakaria Campus
Rauza Bagh, Aurangabad-431001 (M.S.)

زیبا حمید سید، درجہ دوازدہم، جے طولا بھوانی اسکول، مہاراشٹر

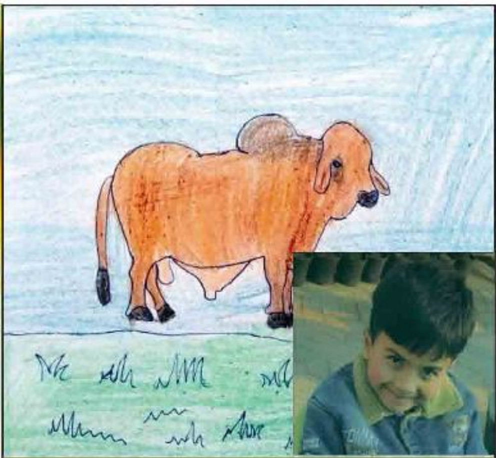

شاذ بن محمد نعیم، درجہ دوم، الفلاح پبلک اسکول، مالیرکوٹلہ، پنجاب

محمد ذہیب رحمٰن، درجہ دوم
ذاکر حسین، اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

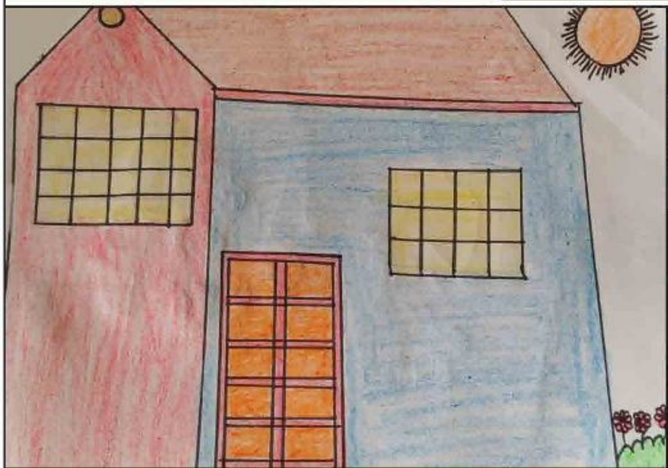

الفیہ عارف خان، درجہ ششم
ضلع پریشد اردو اسکول نیم گاؤں، ناندورہ، ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

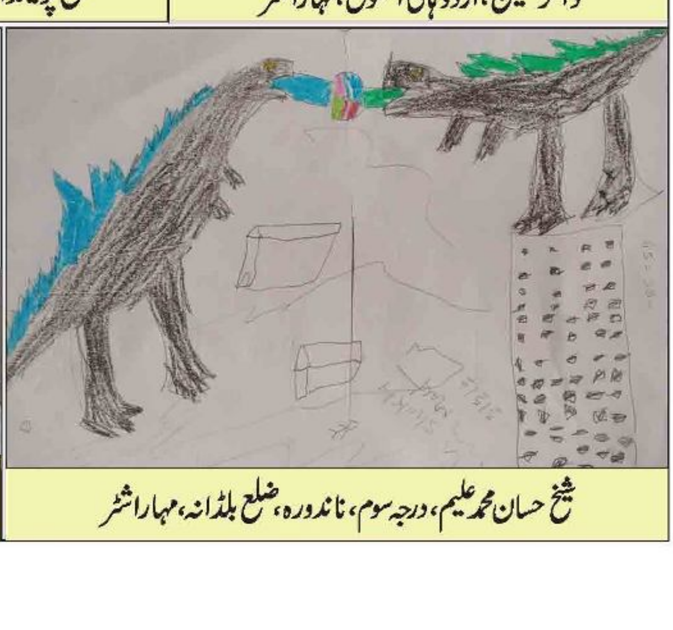

شیخ حسان محمد علیم، درجہ سوم، ناندورہ، ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

ذکریٰ بنت محمد شاہد، درجہ ششم، اسلامیہ گرلز سینئر سیکنڈری اسکول،
مالیرکوٹلہ، پنجاب

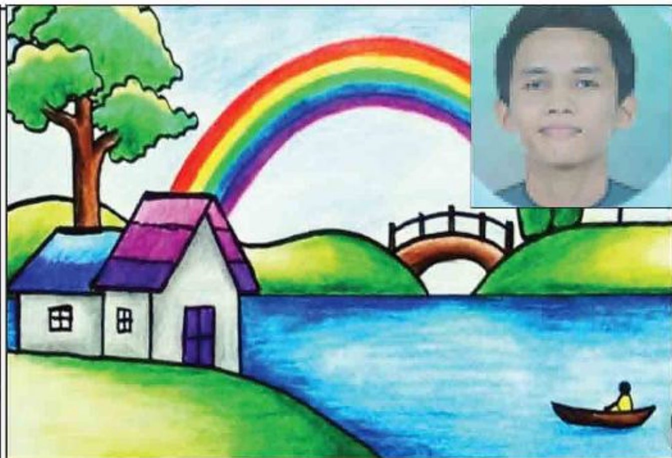

محمد رائد احسن، ڈاکٹر اصغر احمد، درجہ نہم، الہدیٰ اسکول، بیڑ، مہاراشٹر

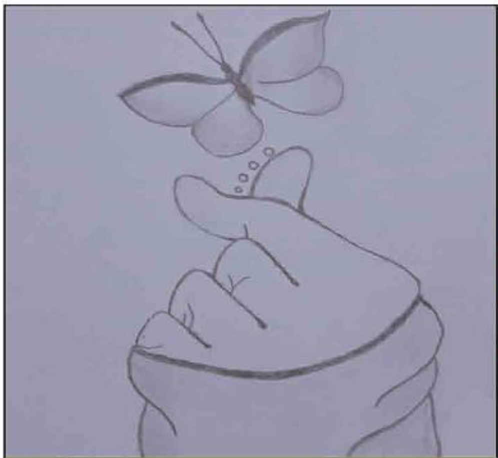

نشرا صدف عرفان بیگ، اکولہ، مہاراشٹر

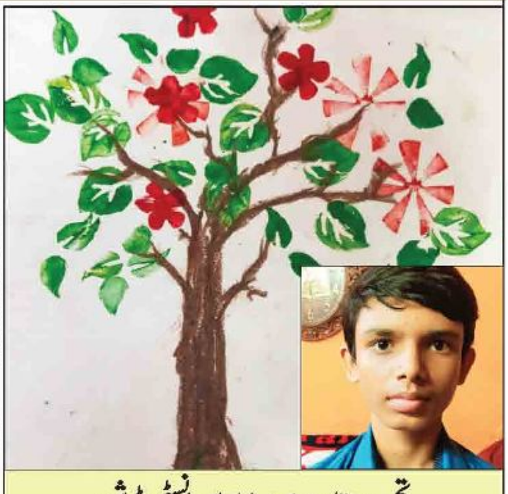

تحمید منقاد، سینٹ زیورس انسٹی ٹیوشن
کولکاتا، مغربی بنگال

محمد سلیم، اے ایل نعمانی انٹر کالج، مئوناتھ بھنجن، یوپی

سیّد عبدالقوی ولد سیّد اطہر احمد، درجہ سوم، لٹل فلاور انگلش اسکول اورنگ آباد

سعدیہ اکرم علی، جلگاؤں، مہاراشٹر

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, मई 2022, वर्ष 10, अंक 05
BACHON KI DUNIYA Monthly, May 2022 Vol. 10, Issue: 05
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/04/2022
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

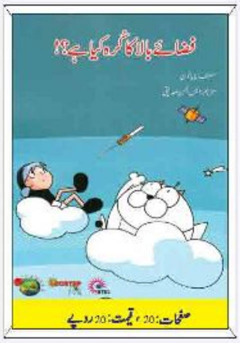

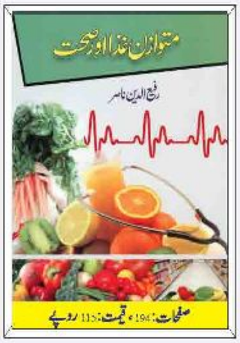

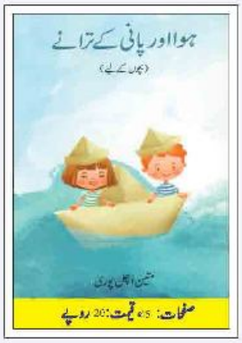

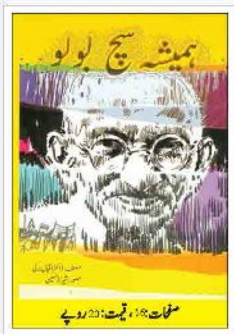

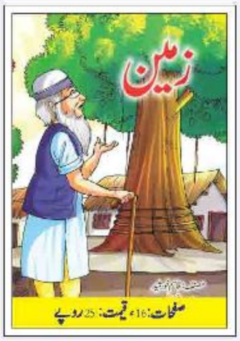

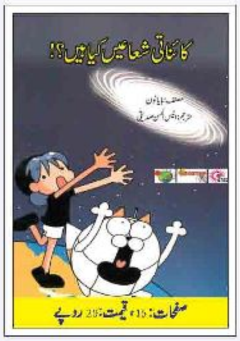

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6